ہفت روزہ
الفتح
کراچی
پابندی ختم ہونے کے بعد شائع ہوگا
ہفت روزہ حیدرآباد
راہی
۱۹-۲۶ مئی ۷۸
مرتضیٰ بھٹو کے اغوا کا منصوبہ
قیمت، تین روپے
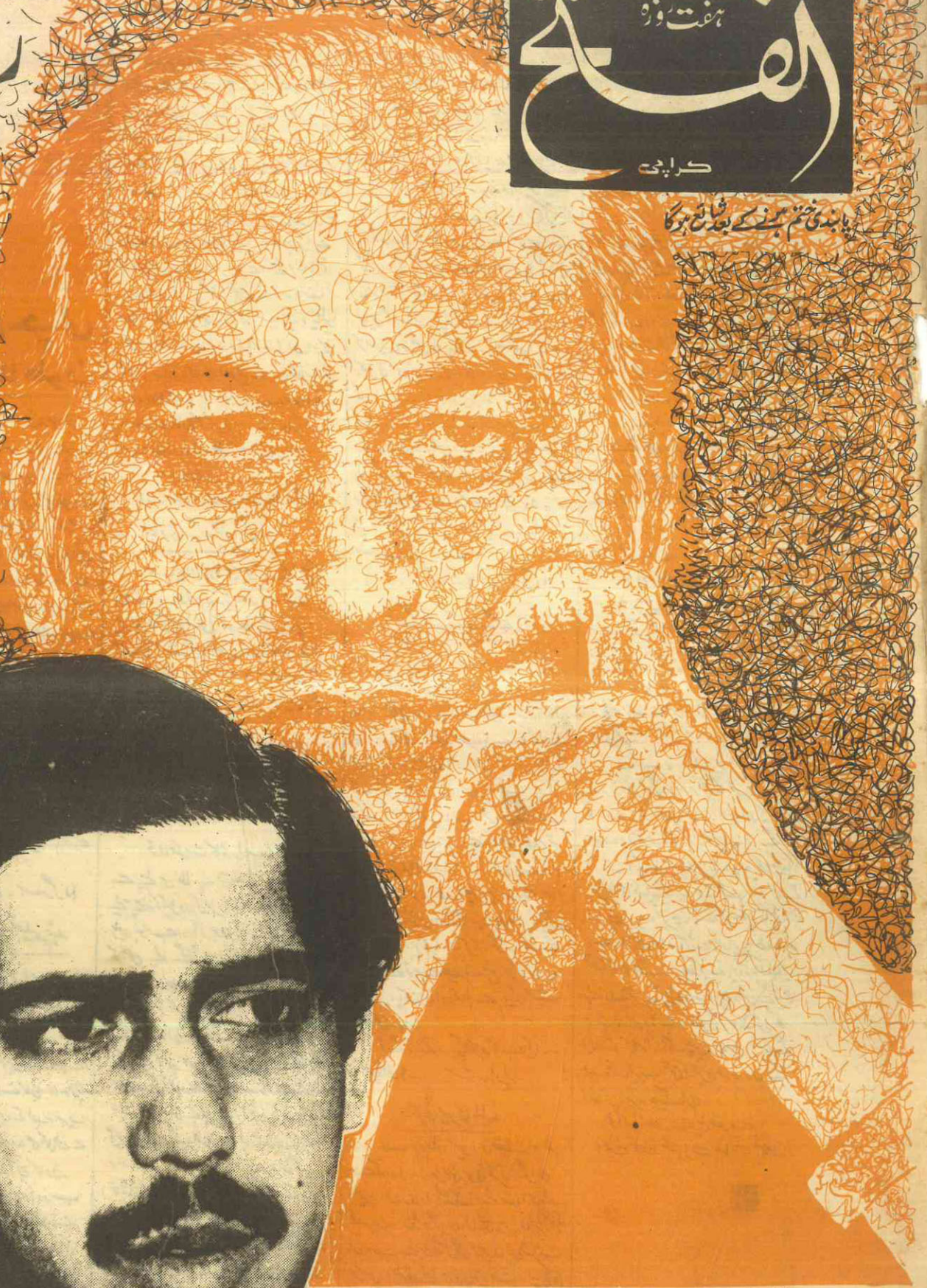
شیخ چلی اور افلاطون

مولانا مودودی اور ذوالفقار علی بھٹو کا مقابلہ شیخ چلی اور افلاطون جعفر زٹلی اور ارسطو کا مقابلہ ہے بادبانی کشتیاں اب میزائل بوٹس کا مقابلہ کرنے چلی ہیں۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ مولانا مودودی یقیناً چشم دید سید ہیں اور تحفہ چشم دید سید کا یوں ہے کہ دو سید باہمی مقابلہ بازی میں مصروف تھے کہ اصل سیدی دعویٰ کون ہے گواہ نے پیش ہو کر کہا کہ ایک سید تو ہمارا چشم دید سید ہے وضاحت یوں کی کہ پہلے جہاں ہمارے پڑوس میں رہتا تھا ہماری طرح ہی ڈوم تھا یہاں آ کر نام سے پہلے سید لکھوا دیا اور خود کو سید پکارا اور کہلوایا تھا تو یہ چشم دید سید ہے کہ سامنے ڈوم سے سید ہوا ہے دوسرے کا حال خدا کو معلوم ہوگا کہ وہ ہمارا پڑوسی نہ ڈوم کی حیثیت سے رہا نہ سید کی حیثیت سے گھوڑے نہ ہوں تو راج گدھوں کو مل جاتا ہے لیکن عقل کا خزانہ یونہی تقسیم نہیں ہوتا۔ یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

عفور احمد اعوان ۔ سرگودھا

درس گاہ بند تعلیم بند

سندھ یونیورسٹی، مہران انجینئرنگ یونیورسٹی ٹنڈو جام زرعی یونیورسٹی اور لیاقت میڈیکل کالج کو بند ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہونے کو آرہا ہے میں لیاقت میڈیکل کالج کا طالب علم ہونے کی وجہ سے صرف اس کا ذکر کروں گا۔ ہمارے کالج میں ۳۰ مارچ کو ایک چھوٹا سا ہنگامہ ہوا۔ جس کے بعد نہ صرف کالج بند ہو گیا بلکہ ہوسٹل کے کمرے بھی مکمل طور سے خالی کرا لیے گئے۔ وہ دن اور آج کا دن۔ انتظامیہ اس سے بالکل غافل ہے اور سب تعلیمی ادارے جن میں کسی حد تک ہنگامے ہوئے تھے کھول دیئے گئے ہیں حالانکہ ان کی تعلیم کا بھی کافی نقصان ہو چکا ہے مگر ہمارے کالج نے کیا جرم کیا ہے جو نہ کالج کھولتے ہیں اور نہ ہوسٹل میں رہنے دیتے ہیں حالانکہ ہنگاموں کا اب ایک فیصد بھی امکان نہیں ہے یہ بات بند کیے ہوئے کچھ کالج کھولنے سے ثابت ہو چکی ہے ۲۳ تاریخ کو فرسٹ پروفیشنل کے ضمنی امتحان ہونے والے تھے ۵ اپریل کو فائنل پروفیشنل کے سالانہ امتحانات ہونے والے تھے۔ جبکہ فرسٹ پروفیشنل ۱۹۷۷ء اور سیکنڈ پروفیشنل کے امتحانات بھی کچھ دور نہیں صرف ایک ڈیڑھ ماہ کا عرصہ باقی ہے ان حالات میں کالج کو بند کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ انتظامیہ ہم طالب علموں سے انتقام لینا چاہتی ہے طلبا سے ایسی سنگ دلی کے ساتھ انتقام لینا اسلام کے نام لیواؤں کو زیب نہیں دیتا کیوں نہیں سوچتے وہ رہنما جو خود کو اسلامی نظام کا چیمپئن سمجھتے ہیں۔ میں اور میرے بے شمار ساتھی پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ تعلیمی ادارے خصوصاً ہمارے ہوسٹل اور کالج کو کھولا جائے پڑھائی باقاعدہ شروع کی جائے تاکہ طلبا کا نقصان نہ ہو۔

منصور شاد

اور بہت سے دوست طالب علم

لیاری کے طلبا کی آواز

جب یہ الفاظ ذہن میں گونجتے ہیں کہ آج کے طالب علم قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں تو نظروں میں لیاری گرلز اسکول گھومنے لگتے ہیں کیا ہم صرف میٹرک تک تعلیم حاصل کر کے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہو سکتے ہیں یہ آواز صرف میری نہیں بلکہ لیاری کے ہر بچے کی آواز ہے کہ انہیں تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

کنیز فاطمہ چاکیواڑہ۔ کراچی۔

ڈرامہ قومی حکومت کا

قومی حکومت کا ڈرامہ رچائے جانے سے پہلے ہی فلاپ ہوتا نظر آتا ہے اس کے لیے جتنے ایکٹروں کی ضرورت ہے وہی پورے نہیں ہوئے ہیں اور اگر جوں توں کر کے پورے کر بھی لیے گئے تو پھر ان میں یہ کھینچا تانی شروع ہو جائے گی کہ کون سا کردار کون ادا کرے ڈائریکٹر نے جو خود ہی ہیرو کا کردار ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اگر بھان متی کے کنبے کو کچھ سمجھا بجھا کر اور کچھ ڈرا دھمکا کر کرداروں کی تقسیم کا مرحلہ بھی سر کر لیا اور تھوڑی بہت ریہرسل کے بعد پردہ اٹھنے کی نوبت آ بھی گئی تو پھر ایک طرف یہ خبط ڈرامہ رچانے والے ہوں گے اور دوسری طرف وہ ان گنت تماشائی جو ابھی سے ان کے سواگت کے لیے پھٹے پرانے جوتوں، گندے اور گلے سڑے ٹماٹروں کے علاوہ اور نہ جانے کیا کچھ اکٹھا کر رہے ہیں۔ اور یہی وہ خوف ہے جس سے ڈرامے کا ڈائریکٹر اور ایکٹر دونوں ہراساں ہیں اور ڈرامہ رچانے میں تاخیر ہو رہی ہے مگر جس طرح غریبوں کی یہ مجبوری ہے کہ ان کے لیے بھٹو بہت ضروری ہے، اسی طرح غریبوں کے دشمنوں کی یہ مجبوری ہے کہ ان کے لیے قومی حکومت کا ڈرامہ رچانا بہت ضروری ہے چنانچہ ڈرامہ رچائے جانے کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ یہ کوششیں بھی جاری ہیں کہ لوگوں کو اتنا خوفزدہ کر دیا جائے کہ جب ڈرامہ رچے وہ خاموش تماشائی بنے رہیں لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تماشائی ڈرامے کے ایک دو سین خاموشی سے برداشت کر لیں گے۔ مگر اس کے بعد ڈرامہ رچانے والوں کی تمام تر احتیاطی تدابیر دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ وہ شور مچے گا وہ ہوٹنگ ہوگی وہ کرسیاں ٹوٹیں گی۔ پنڈال سے سٹیج کی طرف بجلی کی سی تیزی کے ساتھ وہ کچھ جائے گا کہ خدا کی پناہ اور پھر کیا ڈائریکٹر اور کیا ایکٹر سب کو بھاگنے کی لگے گی۔ ڈرامے کے سرپرست کے دلاسے بھی کام نہیں آئیں گے۔ پروڈیوسر اپنی پلاننگ کو کوسے گا۔ اور فنانسر اپنی قسمت کو روئیں گے، جو ہو روح عصر لیے وہ پیش کرے تمثیل کوئی اتنی جان کہاں ہے اب سر ملے کے کرداروں میں۔

آیت اللہ کاشفی ۔ فیصل آباد

آگے آگے دیکھئے!

نظریۂ پاکستان اور بابائے قوم قائداعظم کے بغیر نہ تو کوئی لیکچر دیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی تقریر کی جا سکتی ہے ان کے خلاف ایک لفظ بھی استعمال کرنے والے کو غدار سمجھنا فطری بات ہے مگر افسوس صد افسوس۔ کراچی میں آدھی درجن مشیر وقتاً فوقتاً آئے مثلاً بروہی صاحب، سومرو صاحب، ہوتی صاحب، شیخ اختر صاحب، محمود علی صاحب وغیرہ وغیرہ یہ سب مشیر بننے کے بعد پہلی مرتبہ کراچی آئے مگر ان حضرات نے نہ تو بابائے قوم کے مزار پر حاضری دی۔ نہ پھول چڑھائے، نہ سلام کیا، نہ فاتحہ پڑھی ان کے منہ سے نظریۂ پاکستان اور بابائے قوم کی بات کرنا مشکوک لگتا ہے جن کو بابائے قوم سے عقیدت نہیں ان کو نظریہ پاکستان، پاکستان اور قوم سے کیسے محبت ہو سکتی ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

عبدالوہاب۔ شہداد پور

دھرتی میری ماں

اے عظیم ماں ہمیں اس حقیقت کا علم ہے کہ روز بروز بڑھتی ہوئی کمر توڑ گرانی، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ، رشوت، لوٹ کھسوٹ، غنڈہ گردی، فحاشی و عریانی، بیروزگاری اور سب سے بڑھ کر گلی کوچوں میں شراب چرس، افیم کی کھلے بندوں فروخت، ایسی تمام برائیاں تیرے دشمن سامراجی گماشتوں، سرمایہ داروں جاگیرداروں اور نوکر شاہی کی پیدا کردہ ہیں تاکہ تیرے کروڑوں بیٹوں کو ان گنت برائیوں میں مبتلا کر کے بے حس و مردہ کرنے کے بعد تاریک غاروں میں دھکیل دیا جائے تاکہ تیرے بیٹے تیری حفاظت اور اپنے حقوق کی بازیابی کیلئے کبھی متحد نہ ہو سکیں۔ اے پیاری ماں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جب کبھی تیرے بیٹے تیری حفاظت اور اپنے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لیے متحد ہوئے تو سامراج اپنے مفادات کو درپیش خطرات کے پیش نظر اپنے تنخواہ دار گماشتوں کے ذریعے مخصوص حکمت عملی کے تحت تیرے متحد بیٹوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ کر کمزور کر دیتا ہے۔ اس کے بعد پھر سے بے دھڑک ہو کر اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ مگر میں آج تیرے بیٹوں سے کہوں گا اے مادر وطن کے جانثار بیٹو! آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مادر وطن کے کروڑوں سامراج دشمن بیٹے متحد ہو کر معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ سامراجی گماشتوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے اپنا تاریخی کردار ادا کرتے ہوئے ہر میدان میں سرگرم عمل ہو جائیں۔

اے مادر وطن کے غیرت مند سپوتو آج مادر وطن تمہیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے میرے بیٹو! کیا میں نے تمہیں اس لیے پال پوس کر جوان کیا تھا کہ ظالم سامراج میرے ٹکڑے ٹکڑے کرتا رہے۔ اور تم خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہو اے میرے بیٹو تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔

اے میرے جاں نثار بیٹو! اٹھو، بڑھو اور بڑھ کر توڑ دو سامراجی گماشتوں کے ان ہاتھوں کو جو ماضی میں تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے میرے دو ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور آج ایک بار پھر سامراج اپنے مکروہ بھیانک عزائم کی تکمیل کے لیے خوفناک سازشوں کے ذریعے میرے مزید ٹکڑے کرنے پر تلا ہوا ہے اے ماں ہمیں معاف کر دے ہمیں تیری عظمت کی قسم آج ہم تجھ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ پاکستان میں بسنے والے تیرے کروڑوں سامراج دشمن بیٹے تیری جانب اٹھنے والے ہاتھوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک تیرے دشمن کو تیری سرحدوں سے اٹھا کر باہر نہ پھینک دیں۔

ڈاکٹر ظفر الدین ظفر صدر

انجمن تحفظ شہریان ملتان شہر

■

ہفت روزہ

راہی

حیدرآباد

۱۹-۲۶ مئی ۱۹۷۸

جلد: ۷ ● شمارہ: ۵۱

قیمت ۳ روپے

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد بشیر

کالم نگار
حسین نقی، شبیہہ الحسن

کچھ سچ کچھ جھوٹ
امر جلیل

طنز و مزاح
ابو ضیا اقبال

انتظامی امور
حاجی عدیل

سرورق
سعید الدین حسین

خاص مضامین

اسلام آباد
حمیر شیراز

صوبائی نمائندے

سندھ مقیم حیدرآباد
احسان عظیم

پنجاب مقیم لاہور
کاشف

سرحد مقیم پشاور
شہزاد غزنوی

بلوچستان مقیم کوئٹہ
ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

میرپورخاص
محبوب احمد

فیصل آباد، گوجرانوالہ
طارق سعید

سانگھڑ
ایاز سندھی

شیخوپورہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ
غیاث الدین جانباز

میرپور، سکھر
جیکب آباد لاڑکانہ
ابراہیم عباسی

گوادر
سلیمان شیروف

ٹنڈو الہ یار
کامل سمعون

میانوالی
روشن ملک

ملتان
ناصر زیدی

آزاد کشمیر
سید نذیر گیلانی

غیر ممالک

پیکنگ
رشید بٹ

ماسکو
محمد زاہد

کینیڈا
سعید ابن سعود

لندن
عبدالحفیظ قریشی

یورپ فاروق طارق

متحدہ عرب امارات
مقیم دوبئی
غلام جیلانی

چیف ایڈیٹر
مولانا ابوالفتح غلام رسول چشتی
پبلشر احمد راہی نے
پاکستان پریس سے
چھپوا کر دفتر ہفت روزہ
راہی ٹاؤن کاپر حیدرآباد سے شائع کیا

دفتر رابطہ
الفتح مطبوعات
۶۹-۵ ڈی ترسری کمرشل
پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹
فون ۴۳۲۲۷۴۰

سربلندوں کو سلام

بہت دنوں سے اونچی کرسیوں سے گھٹیا باتیں چھچھورے انداز میں کہی جاتی رہیں ۔ لیکن علم و دانش کے خدمت گزاروں نے اسی سطح پر جواب نہیں دیا کہ یہ ان کے وقار کے منافی ہے ۔ اور اب کوڑے برسا کر متانت و بردباری کی کھال کھینچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس رسہ کشی کے فریق ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ قدر مشترک صرف ایک ہے کہ دونوں طرف اسی دھرتی کے سپوت ہیں ۔ ورنہ ایک طرف وہ ہیں جو ریاست کے تنخواہ دار ملازم ہیں اور دوسری طرف وہ جو اپنا خون پسینہ ایک کر کے ان کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے سرکاری خزانہ بھرتے ہیں ۔ ایک طرف وہ ہیں جو اپنی مزدوریوں اور مصلحتوں کے تحت آنکھیں رکھتے ہوئے حقیقتوں کو دیکھتے نہیں ۔ دوسری طرف وہ لوگ جو انہیں وہ دکھانا چاہتے ہیں جو خود دیکھ رہے ہیں ۔ ایک طرف وہ ہیں جو کان رکھتے ہوئے ایسی باتیں سننا نہیں چاہتے جو انہیں ناپسند ہوں ۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کے کان حق و صداقت کی آواز پر لگے رہتے ہیں اور اُن کے دلوں میں اس آواز کو دوسرے کانوں تک پہنچانے کا جذبہ مچلتا رہتا ہے ۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو عقل رکھتے ہوئے اس سے کام لینا نہیں چاہتے کہ زندگی کی صداقتیں ان سے ان راہوں پر چلنے کا تقاضہ کرتی ہیں جو ان کے عارضی، وقتی اور لمحاتی مفادات کے خلاف جاتی ہیں ۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنے شعور اور ادراک سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اپنے انفرادی اور گروہی، عارضی، وقتی اور لمحاتی مفادات کو اجتماعی اور دیرپا مفادات کا تابع رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ ان فریقوں میں کشمکش شدید سے شدید تر اس لئے ہوتی جا رہی ہے کہ ان کے درمیان توازن قائم رکھنے والی وہ طاقت موجود نہیں جسے قوم رضاکارانہ طور پر امورِ مملکت سرانجام دینے کی ذمہ داری سونپتی ہے ۔ موجودہ صورتِ حال میں کون حق سے انحراف کر رہا ہے اور کون حق پرستی کی راہ پر اپنی صلیب خود اپنے کندھے پر اٹھائے سرگرمِ سفر ہے ۔ ایسی صاف، عیاں اور نمایاں حقیقت ہے کہ اس کا بیان کرنا اِس باشعور قوم کی توہین ہے۔

بہرحال پاکستانی عوام اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ ان کے بھائی اور بیٹے اتنا حوصلہ رکھتے ہیں اور ایثار و قربانی کے جذبات سے ایسے سرشار ہیں کہ اجتماعی مفادات کے لئے، اپنے ہموطنوں کے حقِ آزادی کے لئے اور اپنے ہم پیشہ بھائیوں کے مفادات اور خاص طور پر آزادیٔ اظہار اور تحفظِ روزگار کے لئے جانتے بوجھتے آزمائش، قید و بند اور اب کوڑوں کی مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتے ہیں ۔ یہی استقامتِ کردار آزاد قوم کے باشعور افراد کی پہچان ہے ۔ آیئے ہم ان جیالے سپوتوں کو سلام کریں۔

میرے والد رحم کی اپیل نہیں کرینگے

وہ سربلند ہو کر تختۂ دار پر چڑھ جائینگے

وہ اپنے حامیوں سے غداری نہیں کریں گے، آخری فیصلہ تاریخ پر چھوڑ دیں گے

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، سابق وزیر اعظم پاکستان کے ۲۳ سالہ فرزند میر مرتضیٰ بھٹو آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں اور بین الاقوامی تعلقات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں. اس کے ساتھ ساتھ وہ امریکہ، یورپ اور مشرق وسطیٰ میں ان کے والد کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف ان ملکوں کے سیاستدانوں اور ارکانِ حکومت کی طرف سے جنرل ضیاء کی فوجی حکومت پر دباؤ ڈلوانے کے لئے ذاتی طور پر مہم چلا رہے ہیں. انگریزی ہفتہ وار "ایسٹرن ٹائمز" لندن نے ان کا یہ انٹرویو شائع کیا ہے. جسے ہم اپنے قارئین کے لئے پیش کر رہے ہیں. (ادارہ)

ایسٹرن ٹائمز لندن کو مرتضیٰ بھٹو کا انٹرویو

سوال: اس معاملے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں!

مرتضیٰ: میں قنوطیت اور رجائیت کے دوراہے پر کھڑا ہوں. مایوس اس لئے کہ فوجی جنتا پاکستان میں عوام سے نارمل اور معقول انداز میں برتاؤ نہیں کر رہی. اگر وہ نارمل ہوتے اور ان میں سیاست جانچنے کا شعور ہوتا تو وہ میرے باپ کو سزا نہ دیتے. کیونکہ اس سے پاکستان کو نقصان ہوگا، اور اس کا نتیجہ لازمی طور پر پاکستان کے ٹوٹنے اور ٹکڑے ہونے کی صورت میں برآمد ہوگا. اگر ضیاء یہ سمجھتے ہیں کہ تشدد کے ذریعے اس عمل کو روک سکتے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں. میں کسی حد تک پُرامید بھی ہوں کیونکہ دنیا اور خصوصاً مشرق وسطیٰ میں ایسی با اثر طاقتیں ہیں جنہوں نے ضیاء پر واضح کر دیا ہے کہ اگر میرے والد کو ختم کیا گیا تو اس کے اثرات اس کی حکومت پر کیا پڑیں گے. مجھے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پاکستان اقتصادی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے اور غیر ملکی امداد پر اس کا انحصار بہت زیادہ ہے.

سوال: ملک (پاکستان) میں آپ کے والد کو حاصل حمایت کے بارے میں آپ کا اندازہ کیا ہے؟

مرتضیٰ: میں نہایت اعتماد کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کل الیکشن ہوتے ہیں، تو میرے والد کی پارٹی پنجاب میں ۸۵ فی صد نشستیں حاصل کرے گی. اور دیگر علاقوں بشمول شمال مغربی سرحدی صوبے سے بھی ٹھوس حمایت حاصل ہوگی. جہاں تک بلوچستان کا تعلق ہے مجھے اندازہ نہیں کہ وہاں انہیں (مسٹر بھٹو کو) کتنی حمایت حاصل ہے.

سوال: اس مسئلے پر پاکستانی عوام کے احساسات کا صحیح اندازہ کیا ہے؟

مرتضیٰ: میں خائف ہوں. اختلاف کی ہر علامت فوراً کچل دی جاتی ہے. فوجی جنتا کے تحت پاکستان ایک آمرانہ ریاست ہے. حد یہ ہے کہ ریس کورس اور اسپورٹس اسٹیڈیم تک بندی گھروں میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں. آپ بخوبی واقف ہیں کہ وسیع پیمانے پر کوڑے لگائے جا رہے ہیں، اور گرفتاریاں کی جا رہی ہیں..... اس اقدام کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ، عوام میں میرے والد کی مقبولیت سے خوفزدہ ہیں میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ بم گولیوں اور فوجی جنتا کے پھیلائے ہوئے اس تاثر کے اس مسئلے پر ان کے مابین مکمل اتفاق رائے ہے کے باوجود ہمیں .... کا جاری کردہ لٹریچر ملا ہے جس میں میرے والد کی اسیری کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا ہے.

سوال: مبینہ طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد نے کہا ہے کہ انہوں نے ضیاء کی تقرری میں متعدد مستحق امیدواروں کو نظر انداز کر کے سب سے بڑی غلطی کی تھی!

مرتضیٰ: ہاں یہ سچ ہے. میرے والد کو انٹیلی جنس کی جھوٹی رپورٹیں ملیں جن میں اُس (ضیاء) کی غیر جانبداری اور منصب کے لئے اہلیت کی تعریفیں کی گئی تھیں. اور انہیں کسی وقت بھی یہ تاثر نہیں ملا کہ ... ضیاء سیاسی خواہشات رکھتا ہے. اُس کی پوری حکومت غیر قانونی ہے. اور اس نے ملک کا آئین معطل کر دیا ہے (سپریم کورٹ آف پاکستان "ریاستی ضرورت" کے تحت ضیاء حکومت کو قانونی قرار دے چکی ہے. ادارہ راہی)

سوال: جیل میں آپ کے والد کی حالت کیا ہے؟ کیا انہیں شکستہ شخص قرار دیں گے؟ باقی صفحہ ۲۴ پر

پی آئی اے کو میرے
بارے میں خفیہ ہدایات
جاری کی گئی ہیں —!

مضمون نویسی تعمیری تنقید اور عدل کے دوہرے معیار

پرانی سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

حکومت سندھ نے مجھ پر امن عامہ کو برقرار رکھنے کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۰ء کے تحت ایک ماہ کے لئے یہ پابندی لگائی ہے کہ میں کوئی ایسی تقریر نہ کروں یا بیان نہ نکالوں یا پریس کو انٹرویو نہ دوں جو حکومت اور پریس کے باہمی تعلقات اور اخبارات سے متعلق قوانین کے بارے میں ہو یعنی یہ بڑا واضح اور قاطع آرڈر ہے کہ آپ فلاں فلاں موضوعات پر کوئی تقریر نہیں کر سکتے۔ کوئی بیان نہیں جاری کر سکتے یا انٹرویو نہیں دے سکتے۔ گویا کہ ممنوعہ موضوعات حکومت اور پریس کے باہمی تعلقات اور پریس سے متعلق قوانین ہوئے اور ممنوعہ حرکات میں تقریر بیان اور انٹرویو شامل ہیں مضمون یا مضمون نویسی پر حکومت نے کوئی قدغن عائد نہیں کی ہے یہ حکام کا بڑا کرم ہے ورنہ اگر وہ مضمون نویسی پر بھی پابندی عائد کر دیتے تو فی الحال ان کا کوئی کیا بگاڑ لیتا۔ لیکن کیا پتہ کل کلاں کو تقریر، بیان، انٹرویو کے ساتھ مضمون نویسی پر بھی پابندی لگا دیں۔ بدحواسی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

چلئے اس کو چھوڑیئے اب میں مضمون نویسی شروع کرتا ہوں اس بار کچھ زیادہ ہی "تعمیری تنقید" کرنے کا ارادہ ہے ویسے میں تنقید ہمیشہ تعمیری ہی کرتا ہوں۔ ایسی تنقید کہ جس سے اگر صحیح نتائج اخذ کئے جائیں، تو بہتوں کا بھلا ہو سکتا ہے اور میں تعمیری تنقید شعوری طور پر اس لئے کرتا ہوں کہ ہمارے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل ضیاالحق صاحب کی یہی ہدایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ تعمیری ہو ظاہر ہے کہ وہ فیصلہ تو خود ہی فرمائیں گے کہ تعمیری تنقید کیا ہوتی ہے یہ ان کا اختیار ہے یا ان کی کسی مارشل لاء عدالت کا اختیار ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ کونسی شئے تعمیری ہے اور کونسی تخریبی اس کا اختیار کسی عام شہری عدالت کو نہیں اور نہ اس معاملہ میں کسی عام شہری قانون کا سہارا لیا جا سکتا۔ اب دیکھئے ناکہ دو گھنٹے کے اندر ایک نہیں بلکہ دس، اور دس نہیں بلکہ بیس صحافیوں اور اخباری کارکنوں کو ایک ایک سال قید بامشقت اور ہزاروں روپے جرمانہ کی سزا سنا دی جاتی ہے اور اب تو کوڑوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔

کوڑوں کا ذکر آیا ہے تو مجھے مارشل لاء کے دور کی آزاد صحافت کا ایک نمونہ یاد آیا۔ سرکاری خبر رساں ایجنسی اے پی پی کی خبر ہے اور جنگ کی ۱۵ مئی کی اشاعت میں صفحہ آخر پر دو کالمی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں کوڑوں کی سزا کا برطانوی باشندوں کی جانب سے خیر مقدم کیا گیا ہے خبر میں کہا گیا ہے کہ غیر ممالک کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد نے حکومت پاکستان کو خطوط لکھے ہیں۔" پھر کہا گیا ہے کہ بیشتر خطوط برطانیہ سے موصول ہوئے جبکہ برطانوی ابلاغ عامہ کے ذرائع یعنی اخبارات وغیرہ کوڑوں کی سزا کے خلاف مہم چلا رہے ہیں یعنی ملاحظہ کیا کہ برطانیہ کے باشندوں کو اگر کوڑوں کی سزا کا خیر مقدم کرنا ہوگا۔ تو وہ اپنے اخبارات میں خطوط نہیں لکھیں گے بلکہ پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو مراسلے بھیجیں گے۔ خدا کے لئے خبر بھی بنا رہے تو ایسی کہ بظاہر کچھ منطقی ہی معلوم ہو ہمیں معلوم ہے کہ لندن میں پاکستان کے سفارتخانے کے تعلقات عامہ کے افسران بالخصوص میاں قطب الدین عزیز اور حاجزادے زبیر علی ان دنوں بڑے سرگرم ہیں اور ان کا آج کل تشغل ہی یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کوڑوں کی سزا کے لئے بھی جواز پیدا کریں جو خود پاکستان میں متنازعہ فیہ ہے یا کم از کم اس کے بلا امتیاز استعمال کی رائے عامہ کے تمام حلقوں کی جانب سے مخالفت کی گئی ہے جن میں علماء بھی شامل ہیں۔ اب غور کیجئے کہ جو سزا خود پاکستان میں محل نظر ہو اور جس کی مخالفت عالم دین بھی کر رہے ہوں اس کی سند اگر برطانیہ سے لانے کی سعئ خام کی جائے گی تو حکومت اور اس کی خبر رساں ایجنسی اور اس کے لندن کے سفارتخانے کے ارباب حل وعقد کے بارے میں آپ کیا رائے قائم کریں گے۔ اگر گوئیبلز ہی کی تقلید مقصود ہے تو اس کے لئے بڑی مہارت کی ضرورت ہے وہ جو کہتے ہیں کہ نقل را ہم عقل باید۔ قبلہ جنرل مجیب الرحمان صاحب کو جو وزارت اطلاعات کے اہم افسر ہیں اور جن کی نفسیاتی جنگ کی فتوحات میں ٹیلیویژن کے کارکنوں کی سرکوبی شامل ہے اور ان دنوں وہ اپنے ہی ہم وطن اخباری کارکنوں کی آزادی صحافت کی جدوجہد کو ناکام بنانے کی سعی لاحاصل میں مشغول ہیں۔ چاہیئے کہ وہ اے پی پی کی اس خبر پر غور فرمائیں۔ اور اپنے آپ سے یہ دریافت کریں کہ اس نوع کی خبریں کس کس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے شائع کی جا رہی ہیں۔ ان سے یہ دریافت کرنا تو خیر تضیع اوقات ہے کہ آپ اور آپ کی حکومت بزعم خود آزادی صحافت اور آزادی اظہار کی علمبردار ہونے کے باوجود ریڈیو اور ٹیلیویژن کو کیوں سرکاری تنبورہ بنائے ہوئے ہے۔ آپ میں سے بہتوں کو اور عنقریب قومی حکومت میں شامل ہونے والی پی این اے کی بعض جماعتوں کو بھٹو حکومت سے یہ شکایت تھی کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کو صرف حکومت کے یکطرفہ پروپیگنڈے کا ڈھول بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ اب آپ کے خیال میں کوئی فرق واقع ہو گیا ہے حالت تو یہ ہے کہ اخباری کارکنوں، پی ایف یو جے اور ایپنک کے موقف کے خلاف سرکاری بیانات تو ان ذرائع ابلاغ سے رات دن نشر ہوتے ہیں لیکن بقول خود غیر جانبدار اور آزادئ اظہار کے علمبردار حضرات کو اتنی بھی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ پریس کے امور پر پی ایف یو جے اور ایپنک کے موقف کو بھی نشر کر سکیں تاکہ عوام آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط یہی حال ان اخبارات کا ہے جو حکومت کے کنٹرول میں ہیں یعنی نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات کہ جن سے اس کا

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

ابھی ابھی کوٹ لکھپت جیل سے مسعود اللہ خاں کا یہ پیغام میرے نام آیا ہے کہ میں اس کے اور اپنے یار محمد ادریس آف پاکستان ٹائمز و صدر پی پی ایل ورکرز یونین لاہور کو اُس کے ذرائع معلومات پر مبارک باد دوں کہ صحافیوں کو کوڑے لگنے کی اطلاع درست ثابت ہوئی۔ کل شام سارا دن مارشل لا کی "عدالت" میں گذارتے اور حسب توقع سزا پانے کے بعد جب "مجرمان" کوٹ لکھپت جیل پہنچے تو ٹکٹکی تیار تھی۔ پاکستانی فوج کے ایک کپتان صاحب بھی تشریف لے آئے اور ٹکٹکی پہ باری باری مجرموں کو اوندھا لٹا کر پٹیاں کس دی گئیں اور کوڑے لگا دیئے گئے۔

تاریخ ساز ملک پاکستان کے تاریخ ساز صحافی مسعود اللہ خاں، ناصر زیدی، سید اقبال احمد جعفری، خاور نعیم ہاشمی کو کوڑے لگا دیئے گئے۔ دنیا کے کسی ملک کی تاریخ میں صحافیوں کے ساتھ پیش آنے والا یہ پہلا واقعہ ہے میری معلومات چونکہ محدود ہیں، اس لئے مجھے علم نہیں کہ ایسا کہیں اور کبھی پہلے بھی پیش آیا ہو۔ پاکستان کے صحافیوں کو اس سعادت کے عطا کئے جانے پر آیئے ہم سب مل کر جنرل ضیاء الحق صاحب کو مبارک باد دیں۔ یا شاید میجر جنرل مجیب الرحمٰن مبارک باد کے زیادہ مستحق ہیں۔ میری طرف سے خصوصی طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مدیر جسارت صلاح الدین، مدیر نوائے وقت مجید نظامی صاحب، مدیر ہفت روزہ زندگی جناب الطاف حسن قریشی، مدیر بادبان برادرم مجیب الرحمٰن شامی، حضرت مولانا مفتی محمود، محترم سید انور حسین نفیس رقم اور جناب زیڈ۔ اے۔ سلہری۔

آپ شاید مسعود اللہ خاں اور دیگر کوڑے کھانے والوں کو نہ جانتے پہچانتے ہوں، میں بھی ذاتی طور پر ناصر زیدی اور سید اقبال احمد جعفری سے متعارف نہیں

جیل میں ٹکٹکی صحافیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی تیار تھی

حسین نقی

ہوں۔ خان صاحب میرے یار اور خاور نعیم ہاشمی برخوردار ہیں (عمر کے لحاظ سے، تجربہ تو ان کا مجھ سے زیادہ ہو گیا)

خاں صاحب مسعود اللہ خاں تقسیم پاکستان کے وقت مشرقی پنجاب سے وارد ہوئے۔ ڈاکٹروں کی غفلت کی وجہ سے پہلے تو ان کی ٹانگ کاٹی جانے لگی تھی لیکن دیسی علاج سے بچ گئی۔ گردن اور داہنی ٹانگ دونوں خاں صاحب کی کبھی نہیں جھکیں۔ خاور نعیم ہاشمی کے بارے میں میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ پاکستانی فلم انڈسٹری کے نامور کیریکٹر ایکٹر مرحوم نعیم ہاشمی کے صاحبزادے ہیں۔ ہر وقت پان کھانا اور لطیفے گھڑنا اور دوسروں کو ہنسانا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ شاعری سے بھی کچھ مَس ہے اور روزنامہ مساوات لاہور میں سب ایڈیٹری کرتے تھے، ہنسنے ہنسانے میں مسعود اللہ خاں کا دوسرا میرے جاننے والوں میں کوئی نہیں۔ آرٹ، ادب، فن، کلچر پر گھنٹوں بات چیت کرنے کے علاوہ اب کچھ سالوں سے لکھتے بھی ہیں۔ اگر آپ راولپنڈی کا پاکستان ٹائمز پڑھتے رہے ہیں تو آپ نے M.-U.-KHAN کا نام بھی پڑھا ہو گا اور اگر آپ نے معطل "پنجاب پنچ" پڑھا تھا تو آپ کو PORCUPINE کے چھلنی کر ڈالنے والے طنزیہ، مزاحیہ کالم پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا ہو گا۔ اُس وقت تک خان صاحب قلمی نام سے ہی لکھ سکتے تھے۔ پھر انہیں خیال آیا کہ اخبار نویسوں کی انجمن میں اپنی سیدھی ٹانگ اڑانا چاہیئے، پنجاب یونین آف جرنلسٹس سے ڈیلیگیٹ منتخب ہو گئے اور پھر پی۔ ایف۔ یو۔ جے کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن پاکستان میں بھٹو، اور پنجاب میں حنیف رامے کی حکومت میں "مساوات" سے جب کچھ کارکنوں کا اخراج ہوا تو لاہور کے کیمپ جیل سے واپس لوٹنا پڑا جس کے سبب وہ سخت مایوس تھے۔ اب کی بار پھر انہوں نے راولپنڈی سے لاہور آنے اور بھوک ہڑتال کرنے کی ٹھانی۔ ہمارے یار محمد ادریس کو کہ باخبر اخبار نویس ہیں اور ہمارے یار بھی، یہ پتہ چل گیا تھا کہ اب سزائیں سخت ہوں گی لہٰذا انہوں نے کہا کہ مسعود تم جیل مت جاؤ، کوڑے لگیں گے۔

میں نے آپ کو بتا ہی دیا ہے کہ مسعود کی گردن اور داہنی ٹانگ کبھی نہیں جھک سکتی لہٰذا انہوں نے ادریس کو کہا۔ "میں کوڑے کھاتا ہوں، تم لیڈر رہو، چاہو تو لیڈری چمکا بھی سکتے ہو"۔

دراصل مسعود اللہ خاں ژاں پال سارتر کے بڑے پرانے قاری ہیں۔ وجودیت کا فلسفہ میں نے انہیں سے سمجھا۔ صبح اٹھ کر وہ پہلے بستر ہی پر پندرہ بیس منٹ غور و فکر کرتے ہیں۔ پھر کچھ اور۔ جیل جانے سے پہلے وہ 'رفیق ڈوگر' میں اور ایک سابق صحافی تھرڈے ہوٹل پر رات بارہ بجے تک گپ شپ کر رہے تھے تو انہوں نے کہا: "اوئے ڈوگر، جیہڑا بندہ بدتمیز نہ ہووے کدی دی مزاح نہیں لکھ سکدا، تو چنگا بھلا بدتمیز آدمی ہے فیر دی توں" چالیس چہرے" (رفیق ڈوگر کے لکھے ہوئے پاکستانی سیاستدانوں کے چالیس سیکچ کتابی شکل میں) میں تہذیب یافتہ بنن دی کوشش وچ مارا گیا۔ ساری کتاب دا ستیاناس مار دتا۔

رفیق ڈوگر نے مزید گفتگو کی خاطر چوک قرطبہ آ کر پھر رات کے بارہ بجا دیئے، میں نے گھر آ کر کہا کہ "خاں صاحب اب تم سو جاؤ، سال بھر کے لئے جانا ہے۔" کوڑوں کے متعلق مجھے یقین نہ تھا، میرا خیال تھا میجر جنرل مجیب الرحمٰن، جو وزارت اطلاعات کے کرتا دھرتا ہیں، ایک چھوٹے نیپولین کہلانے کے

باقی صفحہ ۴۹ پر

مسعود اللہ خان، ناصر زیدی، اقبال جعفری، خاور ہاشمی زندہ باد

تم تاریخ میں امر ہو گئے، صحافیوں کو نیا باب مبارک ہو

ننگی پیٹھوں پر کوڑے کھانے والوں نے نعرہ لگایا

"آزادیٔ صحافت زندہ باد"

شبیہ الحسن

خاور ہاشمی اور اقبال جعفری جنہیں کوڑوں کی سزا دی گئی

کراچی کے صحافیو، ساتھیو!

زندہ باد۔

ہم اس وقت جہاں ہیں، جن حالات میں ہیں خوش ہیں۔ سزا، جرمانے، قید اور کوڑے، یہاں تک کہ پھانسی کا پھندہ ہمارے عزم اور استقلال میں معمولی فرق بھی نہیں ڈال سکتا۔ ہم کمیٹڈ لوگ ہیں۔ ہمارے نظریات اور تصورات بہت واضح ہیں۔ صحافی اور صحافت معاشرے سے کوئی الگ چیز نہیں ہیں۔ یہ ہمارے محنت کش طبقات کی سیاسی اور اقتصادی اور تہذیبی لڑائی کا ایک حصہ ہیں۔ تہذیب کے ہر دور میں یہ لڑائی لڑی گئی۔ اس جنگ میں شامل ہونے والوں کو کبھی زہر کا پیالہ دیا گیا۔ کبھی سرِ دار لٹکایا گیا۔ کبھی زندان کے اندھیروں میں بھوک پیاس سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ کبھی ننگی پیٹھوں اور جسم کے حصوں پر اتنے کوڑے مارے گئے کہ کولہے کی ہڈیاں تک چیخ گئیں۔

مگر حق کا اعلان کرنے والوں کی زبان میں لکنت تک نہ آئی اور انہوں نے ہر سزا برداشت کر کے تہذیب انسانی کو نیا رنگ، نئی زندگی، نیا ولولہ دیا۔ یزید، چنگیز، ہلاکو، ہٹلر مسولینی مٹ گئے۔ تاریخ کے ابواب میں انسانیت کے بدترین دشمن اور ننگی گالی بن گئے۔ تاریخ کے نئے ادوار میں ایسا کردار جو بھی انجام دے گا۔ اس کا حشر بھی مختلف نہ ہوگا۔ زندہ رہے یا مر جائے۔ لعنت ملامت اس کے نام کے ساتھ چلتی رہے گی۔ طاقت کے استعمال اور وسائل کی فراوانی پر اکڑنے والے بالآخر بونے ثابت ہوتے ہیں اتنی گہرائی میں دفن ہوتے ہیں کہ نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔

مگر یارو، ان بونوں نے تاریخ سے کہاں سبق سیکھا. یہ کہاں سبق سیکھتے ہیں۔ جب وہ راج سنگھاسن پر بیٹھ کر بہت اونچائی سے نیچے نگاہ ڈالتے ہیں تو مخلوق انسانی بہت چھوٹی اور بہت حقیر دکھائی دیتی ہے اور یہ مصمم ارادہ کر لیتے ہیں کہ وہ پیدا ہی حاکم بننے اور حکم چلانے کے لئے ہوئے ہیں۔ اس خطۂ ارض کی مخلوق اس کی حاکمیت، تصرّف، تحکّم اور نفس پروری کی خاطر پیدا ہوئی ہے۔ جھوٹا خدائی، کبریائی، حاکمیت کا دعویٰ جب اسے ظلم اور گمراہی کی انتہا پر پہنچا دیتا ہے، تو اسی حقیر اور کمزور مخلوق سے کوئی موسیٰ پیدا ہوتا ہے جو فرعون کی نخوت، تکبّر اور تنفّر سے اکڑی ہوئی گردن توڑ دیتا ہے۔ فرعونوں کا یہی انجام ہوا ہے، فرعونوں کا یہی انجام ہوگا۔ یہ تاریخ کا فیصلہ ہے۔ یہ وقت کا اعلان ہے اس کی بشارت نبیوں نے بھی دی ہے اور فلسفیوں نے بھی۔ اگر ایسا نہ ہو، تو انسانیت دم توڑ دے گی۔ تہذیب و تمدّن کا سوتا خشک ہو جائے گا۔ ترقی معدوم ہو جائے گی تا فلۂ انسانی ایک جگہ ٹھہر جائے گا۔ حسن اور زندگی کے چراغ گُل ہو جائیں گے۔ ہر سُو اندھیرا ہوگا۔ ظلم اور بربریّت کے بدمست دیو قہقہے لگاتے پھریں گے۔ اور خطّۂ ارض جو خالق کی سب سے حسین تخلیق ہے تباہی کے کھنڈرات میں تبدیل ہو جائے گا۔"

گذشتہ دنوں مجھے چند ساتھیوں کے ساتھ کسی بریگیڈیئر کے سامنے پیش کیا گیا جس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم معافی مانگ لیں۔ ہمارا جواب سیدھا اور سادہ تھا۔ "کس بات کی؟ صاحب بہادر خاصے چیں بجبیں ہوئے۔ فرمایا۔ "زیادہ سختی ہوگی۔" جواب دیا۔ "موت سے زیادہ؟"

ساتھیو، ہم یہاں ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہیں۔ موت سے بڑی کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ دینے والوں کے ہاتھ تو کانپ سکتے ہیں۔ ہمارے سر میں خم نہ آئے گا۔ فکر نہ کرو، ہم آخری دم تک ڈٹے رہیں گے۔ باہر کا محاذ بھی گرم اور تازہ رہے۔ دوستوں ساتھیوں کو سلام، ادھر کب آ رہے ہو؟ تمہارا۔

یہ میرے دوست، عزیز، بھائی محبوب کا خط تھا۔ جو اس وقت ۳۰ اپریل سے پی ایف یو جے اور اپنک کی جانب سے پریس کی آزادی اور دیگر آٹھ مطالبات کی حمایت میں شروع ہونے والی جدوجہد کی پاداش میں کیمپ جیل لاہور میں چھ ماہ قید سخت کی سزا بھگت رہا ہے۔

میرے اس دوست کی طرح، ہم ۱۱ مئی تک کم و بیش ۸۰ صحافی دوست اور پریس کارکن پسِ دیوارِ زنداں چلے گئے ہیں۔ ان میں پی ایف یو جے

باقی صفحہ ۴۲ پر

مسلم لیگ کا اسٹیج "بیمار لیڈر" پس پردہ

ان کی رات کی نیندیں اور دن کا چین حرام ہو گیا

قومی حکومت قائم ہوتے ہوتے پھر رہ گئی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے پچھلے دنوں قومی اتحاد کے رہنماؤں سے لاہور میں اور اس کے بعد راولپنڈی میں بلوچستان کے رہنماؤں سے ملاقات کی۔ بلوچ رہنماؤں نے تین گروپوں میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات کی۔ میر غوث بخش بزنجو نے اکیلے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات کی۔ انہوں نے اگلے روز بھی علیحدہ ملاقات کی اور جو کسر پہلے روز رہ گئی تھی وہ پوری کر دی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے تمام اہم بلوچ لیڈروں کو ملاقات کے لئے بلوایا تھا ان میں سے سب سے اہم بلوچ رہنما میر غوث بخش بزنجو، سردار عطاء اللہ مینگل اور سردار خیر بخش مری کو قرار دیا گیا تھا۔ باقی رہنماؤں کے بارے میں انہیں پہلے ہی رپورٹ دی جا چکی تھی کہ یہ ہم خیال لوگ ہیں۔ سردار خیر بخش مری اور عطاء اللہ مینگل راولپنڈی آتے ہی نہیں میر غوث بخش بزنجو نے پہلے روز کی ملاقات میں ہی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پر واضح کر دیا کہ وہ قومی حکومت میں کسی بھی حالت میں شامل ہونے کو تیار نہیں ہیں انہوں نے زور دیا کہ عبوری حکومت فوری انتخابات کا اعلان کر دے اور اقتدار منتخب عوامی نمائندوں کے حوالے کر کے علیحدہ ہو جائے کہ اسی میں عزت ہے انہوں نے ایک ملاقات میں کہا اس ملاقات میں افغانستان کی صورت حال بھی زیر بحث آئی اور میں نے واضح کر دیا ہے کہ اگر عوامی راستے کے آگے بند باندھنے کی کوئی مصنوعی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ کوئی دوسرا نہیں نکل سکتا۔ ایک مثال ہمارے سامنے ہے دوسری مثال بھی تیار ہو رہی ہے۔ ہمیں غلطیوں سے اجتناب کرنا چاہیئے انہوں نے کہا پاکستان کے معاملات میں دوسروں کو عدم مداخلت کا مشورہ دینے والے اپنی ٹانگ افغانستان کے معاملات میں کیوں اور کس ضابطہ کے تحت پھنسا رہے ہیں مسٹر غوث بخش بزنجو نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے کہا کہ مسلح افواج کو بلوچستان سے باہر آجانا چاہیئے انہوں نے کہا یہ استدلال اپنی جگہ درست ہے کہ فوج اگر ملک میں نہیں رہے گی تو کہاں رہے گی۔ مگر ہمارا استدلال اس سلسلے میں یہ ہے کہ فوج کو وہ کام نہیں کرنا چاہیئے جو وہ صرف بلوچستان میں کر رہی ہے۔ اگر فوج سارے ملک میں وہی کام کر رہی ہو جو بلوچستان میں کر رہی ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے مگر صرف بلوچستان میں فوج سے وہ کام کرانا جو وہاں کے عوام کی مرضی کے خلاف ہے غلط بات ہے اور اس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت بڑھتی ہے۔

افغانستان میں انقلاب نے کچھ لوگوں کی رات کی نیندیں اور دن کا چین حرام کر دیا ہے اور وہ بیتہ کھڑکا بندہ بھڑکا کی تفسیر بن کر رہ گئے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگے ہیں کہ سائے کی شکل

بھٹو کی رہائی کیلئے لیبیا کی ایک اور رسائی
جواب حوصلہ شکن نہیں

لیبیا کے وزیر خارجہ مسٹر عبدالسلام طریقی ایک ہفتے میں دو بار پاکستان کے دورے پر تشریف لائے۔ پہلے تشریف لانے کے بعد جناب طریقی کابل روانہ ہو گئے انہوں نے کابل جانے سے پہلے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق سے تفصیلی ملاقات کی۔ لیبیا کے سربراہ کرنل معمر قذافی کا خصوصی پیغام جناب جنرل ضیاء الحق کو پہنچایا کابل سے واپسی میں پھر جناب طریقی نے جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کی۔ جناب طریقی کابل میں انقلاب آنے کے بعد پہلی غیر ملکی اہم شخصیت ہیں جس نے کابل کا دورہ کیا اور وہاں کے رہنماؤں سے اہم مذاکرات کئے۔ باخبر ذرائع کے مطابق جناب طریقی کرنل قذافی کا جو اہم پیغام پاکستان لائے تھے اس میں دوستی، خیر سگالی اور سب سے بڑھ کر بھائی چارہ کی فضا برقرار رکھنے کا عہد کرتے ہوئے کی گئی تھی کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ اور اسلامی سربراہ کانفرنس کے صدر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو رہا کر دیا جائے۔ بدلے ہوئے حالات میں جنرل ضیاء الحق لیبیا کے وزیر خارجہ کو ماضی کی طرح دو ٹوک جواب نہیں دے سکے۔ انہوں نے باخبر ذرائع کے مطابق اس خط کے مندرجات پر غور کرنے اور ہمدردی سے سوچنے کا وعدہ کیا ہے اور انہی ذرائع کے مطابق یقین دلایا ہے کہ پاکستان کسی قیمت پر لیبیا کی دوستی کو ختم کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے اس زبانی بات چیت کے دوران اس سے بڑھ کر بات ہوئی ہے۔ جناب طریقی نے باخبر ذرائع کے مطابق پیش کش کی تھی کہ وہ کابل کے حکمرانوں کے دل میں پاکستان کی طرف سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرا دیں اور بات چیت شروع ہو جائے۔ اس پیش کش کو مسترد کر دیا گیا ہے جناب طریقی کی پاکستان میں جس طرح پذیرائی ہوئی ہے وہ ان کے عہدے اور پاکستان لیبیا کے درمیان برادرانہ تعلقات سے بڑھ کر ہے۔

بدہیبت ہوتی ہے۔ رات کی نیندوں اور دن کے چین کو واپس لانے کے لئے اہتمام کئے جا رہے ہیں۔ مگر کچھ لوگ جو واقعی با اثر ہیں یہ دل پہ پانی بھی نہیں پڑنے دیتے اور جو ہاتھ لگتے ہیں وہ یونہی سے ہیں کہ وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ کسی دوسرے کی مدد کیا کریں گے۔ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے سیاستدانوں سے ملاقاتیں شروع کیں تو حیات محمد خان کوثر نیازی نے اپنا آؤٹ درست کرایا ایک بیان داغا کہ ہمیں بلوایا جائے تو دو روز کا نوٹس دیا جائے کہ ہمارے پندرہ ارکان دور دراز علاقوں سے یہاں آئیں گے۔ حالانکہ آف دی ریکارڈ خبر یہ ہے کہ سارے کے سارے پندرہ ارکان راولپنڈی پہنچ گئے تھے مسٹر حیات محمد خان کوثر نیازی کا لے آؤٹ بگڑ رہا ہے پندرہ ارکان دو روز کے نوٹس کے لئے منتظر ہیں بلکہ حیات محمد خان کوثر نیازی تو ہر فون اب لپک کر خود اٹھاتے ہیں مبادا وہ آواز سننے میں آئے جس کے لئے سب لوگ چشم براہ ہیں۔ کوثر نیازی کا لے آؤٹ تو اس روز ہی بگڑ گیا تھا جب ان کے ذاتی اخبار حیات کے دونوں ایڈیشنوں پر ورکرز نے قبضہ کر لیا تھا۔ نیازی صاحب کے حکومت اور حکومت کے ساتھی نذیر ناجی کو بیک بینی و دوگوش اخبار سے باہر نکال دیا۔ اخبار کی پالیسی بدل دی۔ اخبار کے لاہور ایڈیشن میں اخبار کے اصلی مالک کی تصویر سیڑھیوں میں رکھ دی جو بھی ورکرز تصویر کو جوتے مار کر اور تھوک کر اوپر نہیں گیا اسے دوبارہ نیچے آ کر یہ کام کرنا پڑا۔ حیات محمد خان کوثر نیازی کی شکست شروع ہو گئی ہے۔ نقب گھر میں ہی لگی ہے اور ایسی لگی ہے کہ سبحان اللہ۔ مگر ہمیں اس میں بھی کسی سازش کی بو آتی ہے کہ جسارت کا راولپنڈی کا عملہ بدستور حیات میں بیٹھتا ہے حالانکہ اس پالیسی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی منتخب حکومت کے خلاف جنرل ضیاء الحق کے آپریشن کا نام آپریشن فیئر پلے تھا وہ آپریشن بہت تھوڑی دیر میں مکمل ہو گیا تھا اب دوسرا "آپریشن کلین اپ" کے نام سے شروع ہے اس آپریشن کا آغاز ابلاغ کے ذرائع میں سب سے پہلے ہوا ہے اخبارات اس کی زد میں ہیں۔ الفتح بند۔ معیار بند، مساوات بند۔ چاروں طرف سناٹا ہے کہ حالات نارمل ہیں مگر اتنے نارمل بھی نہیں کہ انتخابات کا ڈرامہ رچایا جا سکے۔ مبادا کسی کی آواز نکل آتے اور کوئی کہہ دے بادشاہ ننگا ہے۔ لاہور میں صحافی گرفتاری دے رہے ہیں۔ مارشل سمری کورٹ "تین منٹی" (تین منٹ میں) فیصلے کر رہی ہے سیلاب کے آگے کون بند باندھ سکتا ہے اب سیلاب امنڈ آیا ہے۔ ایسے میں ہمارا واحد مشورہ ہے،

ستون دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

کہ قربانی دینے سے ہی فتح قدم چومتی ہے۔ جدوجہد جدوجہد اور صرف جدوجہد ہی راتوں کی سیاہی کو ختم کر سکتی ہے۔ جو کچھ موجودہ دور میں ہو رہا ہے اس سے پچھلے تمام ادوار کی باتیں یاد رفتہ ہو گئی ہیں۔ دور تو سارے ہی سیاہ تھے کہ حق بات کہنے والے تو بہت تھے سننے والے نہیں تھے۔ ہر آنے والے نے اپنے اعمال سے پچھلے کے کارناموں کو مقابلتاً بہتر قرار دیا۔

پاکستان مسلم لیگ پیر پگارا گروپ اور پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ نے باہمی ادغام کا فیصلہ کیا ہے خان عبدالقیوم خان نے اپنے گروپ کو پیر پگارا گروپ میں مدغم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ دونوں گروپ متحد ہو کر کام کریں۔ خان عبدالقیوم خان کو یہ بات بہت دیر کے بعد سمجھ میں آئی ہے اور اسکی بھی ایک وجہ ہے ان کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ موصوف سخت بزدل شئے واقع ہوئے ہیں کسی بھی حکومت کی مخالفت نہیں کر سکتے اور نہ ہی حکومت کی مخالف لابی میں رہ سکتے ہیں۔ بزعم خود صوبہ سرحد کے مرد آہن کا یہ حال ہے کہ ایوب خان کے زمانے میں میلوں لمبا جلوس نکال کر اپنی طاقت کا اظہار کیا اگلے روز پکڑے گئے تو معافی مانگ کر رہائی پائی۔ پشاور میں ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان کے ایک استقبالیہ میں سیاست سے ریٹائرمنٹ کا ہی اعلان کر دیا یحییٰ خاں کا دور آیا لفافہ لیڈر کے طور پر ابھرے خان عبدالولی خان کو اپنا لیڈر تسلیم کرتے ہوئے سیاست میں دوبارہ گھس آئے جب دوسرے لفافے میں اس غلطی پر تنبیہ ملی تو پگڑی بدل لی قائد اعظم مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت بنائی خود ہی اس کے سب کچھ تھے سرحد کے مزاج کیمطابق مسلم لیگی ذہن کے افراد ان کے گرد جمع ہو گئے جب بات بڑھی تو قائد اعظم مسلم لیگ کو مسلم لیگ میں مدغم کر دیا اور اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ ان کی ہی مسلم لیگ اصلی ہے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں کچھ نشستیں مل گئیں پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے پروگرام سے موصوف کو سخت تکلیف تھی ایک خاص تقریب منعقد کرا کے خان عبدالقیوم خان نے اعلان کیا کہ اگر ہمیں ایک ہفتے کے لئے اقتدار دیدیا جائے تو گارنٹی ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو اگر ملک نہ چھوڑ دے تو کتا نام رکھ دیا جائے۔ اقتدار کا ہما ذوالفقار علی بھٹو کے سر پر بیٹھا اور انہوں نے خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں سے بات چیت شروع کی تو خان عبدالقیوم خان کی ساری خانی ہوا ہو گئی بڑک خان ٹمبر خان ہو کر رہ گئے پھر کچھ ایسا چکر چلا کہ خان عبدالولی خان کی بجائے خان عبدالقیوم خان سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی بات چیت شروع ہو گئی۔ اور نتیجہ خان صاحب بھٹو کابینہ میں مارچ ۷۷ء کے انتخابات تک سب سے سینئر منسٹر مقرر رہے ذوالفقار علی بھٹو اور قیوم خان کا ایک دوسرے پر منطق ہو اکرنا اس میں بال برابر بھی فرق نہیں رہ گیا۔ شاہ سے وفاداری میں قیوم خان اس انداز سے بڑھے کہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے منسٹر ہونے کے باوجود انہوں نے پیپلز پارٹی کی تجویز کردہ یونیفارم زیب تن کی۔ سرحد سے سینٹ کی نشستیں پلیٹ میں رکھ کر پیپلز پارٹی کو پیش کر دیں کہ ہر بات میں مکمل اتفاق تھا پتے ہلے تو فرق پھر واضح ہو گیا خان عبدالقیوم خان کی مسٹر بھٹو سے سودا بازی نہ ہو سکی وہ کابینہ سے علیحدہ ہو گئے باوجودیکہ بھٹو کے دور میں وزیر داخلہ کے عہدے پر ہی فائز رہے اور کالعدم نیپ کے بارے میں مسٹر بھٹو کی تمام بریفنگ خان صاحب نے ہی کی۔ جب مسٹر بھٹو کے خلاف قومی اتحاد بنا اور تحریک چلی تو خان عبدالقیوم خان نے اپنی سیاسی بصیرت سے بھانپ لیا کہ مسٹر بھٹو کے دن گنے گئے چنانچہ وہ تحریک استقلال کے اتحاد سے نکلنے کے بعد اپنی جماعت کو لے کر آگے بڑھے انہوں نے اس سے پہلے بھی اتحاد میں شرکت کی پیش کش کی تھی جسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا تھا کہ ہم مسلم لیگ قیوم گروپ کو دسواں ستارہ نہیں بنا سکتے دوسری بار کہا گیا کہ آپ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں خان صاحب کے ساتھیوں یوسف خٹک وغیرہ نے ان کے بجائے پیر پگارا گروپ میں ادغام کی بات چیت کی عین وقت پر قیوم خان غنچہ دے گئے اب پھر انہوں نے وہی بات مان لی ہے کہ اس بار تار اوپر سے ہلے ہیں اور ان

کو یہ یقین دہانی کرادی گئی ہے کہ پیر صاحب پگارا شریف کے بعد آپ کی تاجپوشی کردی جائے گی (تاجپوشی کو صحیح معنوں میں سمجھا اور پڑھا جائے) اسی مسلم لیگ میں شامل ہونے کی شرط قیوم خان نے یہ پیش کی تھی کہ پیر پگارا جب تک اتحاد سے علیحدہ نہیں ہوں گے ہمارا ادغام نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم اتحاد میں اس لئے شریک نہیں ہو سکتے کہ وہاں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی بھی ہے جسے ہم محب وطن تسلیم نہیں کرتے اب نہ جانے کیا ہوا ہے کہ اسی صورتحال میں خان صاحب نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی ہے ہم نے جیسا کہ پہلے عرض کیا موصوف پرلے درجے کے بزدل ہیں ثبوت اس کا یہ ہے کہ اگر موصوف اقتدار میں ہوں تو پھنکارتے پھرتے ہیں یہ کردوں گا وہ کردوں گا ان کی بڑھکوں سے سارا پاکستان زنا رہا ہے اور جب جھنڈا، ڈنڈا چھن جائے تو ساری بڑھکیں دھری رہ جاتی ہیں مرد آہن وہ واقعی اقتدار کے ساتھ ہیں۔ اقتدار نہیں تو چوہے سے بھی بدتر ہیں۔ ویسے خان صاحب سٹیج سیٹ کرنے میں بڑا کمال رکھتے ہیں مارشل لا گورنمنٹ کے ساتھ انہوں نے جس طرح غیر سرکاری طور پر بطور آئینی اور قانونی مشیر کا کام کیا ہے اس کے صلے میں ہی انہیں نیا لفافہ موصول ہوا ہے۔ عبوری حکومت کے سربراہ جنرل ضیاء الحق کے آئیڈیل حکمران پاکستان کے سابق صدر ایوب خان ہیں وہ شروع سے ہی ان کے دور حکومت میں ہونے والی ترقی اور اقدام کے بارے میں رطب اللسان ہیں صدارتی طرز حکومت کی خوبیاں گنوانے وقت صدر ایوب خان کا دور سنہرا ثابت ہوتا ہے۔ ایوب خان کے بنیادی جمہوریت کی ذرا ڈھکی چھپی شکل میں محلہ امن کمیٹیاں قائم ہو رہی ہیں صدر ایوب نے بھی جب مارشل لا لگایا تھا وہی کچھ کہا تھا پھر آہستہ آہستہ مائل بہ سیاست ہوتے گئے مسلم لیگ کا کنونشن بلایا گیا اور کراچی کے ہیلی گھر میں کنونشن لیگ تشکیل پائی۔ فوج کا اصول ہے کہ ایک جنرل دوسرے جرنیلوں کی غلطیوں سے سبق لیتا ہے یہ اصول آج بھی قائم ودائم ہے ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھا جا رہا ہے۔ خان عبدالقیوم خان یونہی مسلم لیگ میں داخل نہیں ہو گئے ہیں یہ سٹیج کسی جلسے جیسے ہی ڈرامے کے لئے سیٹ ہوا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی سیاسی جماعت ماسوائے مسلم لیگ اور کوئی بھی قیادت، ماسوائے اعلیٰ حضرت کے پاکستانی قوم کی منجدھار میں پھنسی نیا کا کھیون ہار بننے کے قابل نہ ہو؟ جنرل ضیاء الرحمٰن

(باقی صہ ۳۲ پر)

غینوں کی ڈائری

این ڈی پی اور مفتی محمود میں ٹھن گئی

جماعت اسلامی، مسلم لیگ اور "گورنمنٹ پارٹی"

پاکستان کی سیاست، جو کافی عرصے تک بھٹو فوبیا کا شکار رہی، ایسے لگتا ہے کہ اب افغانستان فوبیا کا شکار ہو گئی ہے۔ ایک "فوبیا" سے دوسری فوبیا کی طرف چھلانگ لگانے کے دوران سیاست قومی حکومت کے پھندے میں پھنسی رہی۔ بے چاری قوم، جسے کبھی "احتساب تو کبھی" قومی حکومت کی تختی دکھا کر "کچھ دقت انتظار کرو" کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اب شاید اسے افغانستان فوبیا کے ٹنٹ TENT میں رکھا جانے والا ہے جتنا عرصہ یہ قوم اس ٹنٹ TENT میں رہے گی اسے برین واشں کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اسے "افغانستان کے خطرے" کا احساس ہو سکے۔ سنا گیا ہے یہ "برین واشں" ایک جدید نسخے کے ذریعے کیا

جلنے والا ہے جو خاص طور پر وہائٹ ہاؤس سے آیا ہے۔ اس نسخے کو آزمانے کے لئے کافی اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ سنا ہے کہ اس موقع پر موجود رہنے کے لئے اچھی خاصی "برات" اس وقت کراچی آئی ہوئی ہے اور کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں رہائش پذیر ہے کچھ بڑے بوڑھے اس پوری صورت حال سے سخت پریشان ہیں۔ ہر وقت خطرے کا الارم لئے پھر رہے ہیں۔ جب بھی ملیں گے تو دل ڈرانے والی باتیں کریں گے۔ کبھی کہیں گے کہ ہمارا ملک مرغوں کی لڑائی کا اکھاڑہ بننے والا ہے۔ کبھی کہیں گے پاکستان پانی پت کا میدان بننے والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب،

جناب، ہم کیوں پڑیں ان باتوں میں یہ گتھی تو جنرل ضیاء الحق صاحب ہی حل کریں گے۔ آیئے ہم "قومی

حکومت" والی فلم ہی دیکھیں، جس کا ٹریلر کافی عرصے سے پاکستان کے پردۂ سیمیں پر دکھایا جا رہا ہے۔ حال ہی میں مسلم لیگ کے ایک رہنما خواجہ خیرالدین کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب تھی جس میں شرکت کرنے کے لئے سارے ملک سے مسلم لیگ کے رہنما آئے ہوئے تھے، ان میں ملک قاسم بھی شامل تھے، اسی تقریب میں ہماری ملک قاسم سے ملاقات ہو گئی ہم ان سے قومی حکومت وغیرہ کے معاملوں پر بات کرنا چاہتے تھے، جب کہ ملک صاحب اس وقت شاید اس معاملے پر بات کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ انہوں نے بات کو ٹالتے ہوئے پوچھا "یار آج کل کراچی میں کون سی فلم اچھی چل رہی ہے"۔ ہمارے ساتھی روزنامہ سن کراچی کے رپورٹر جناب علی احمد خان، جو اس وقت موجود تھے اور اس وقت پنجاب کی کسی جیل میں

سمری ملٹری کورٹ سے ملی ہوئی سزا کاٹ رہے ہیں نے ملک صاحب کو بڑے مزیدار انداز میں جواب دیا کہ "ہمیں تو آج کل اس فلم (قومی حکومت) میں دلچسپی ہے جو آج کل آپ حضرات قوم کو دکھا رہے ہیں" اس بات پر ملک قاسم سمیت موجود حضرات کی طرف سے زبردست قہقہہ پڑا اور ملک صاحب کو کہنا پڑا کہ "یار کہتے صحیح ہو"۔

ویسے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ "قومی حکومت" بھی ایک شوشہ ہے، جسے محض وقت گذارنے، حقیقی مسائل سے توجہ ہٹانے اور سیاستدانوں کو گندا کرنے کے لئے چلایا جا رہا ہے۔ حال ہی میں ہماری ملاقات یہاں سندھ کی ایک بزرگ سیاسی شخصیت سے ہوئی۔ یہ صاحب ہمیشہ حکومت کی مخالفت میں ہی رہے ہیں اور انہوں نے حال ہی میں حکومت کی طرف سے منتوں سماجتوں کے بعد حیدرآباد میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے بھی ملاقات کی ہے۔ ہمیں بڑے وثوق سے کہا کہ "جناب یہ قومی حکومت وغیرہ کچھ نہیں بنتی! بس یہ ایک شوشہ ہے" ویسے بھی ایم ایل اے صاحب جنہوں نے کچھ عرصہ پہلے کہا تھا کہ وہ سیاست سیکھ رہے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ نہ صرف سیاست سیکھ گئے ہیں بلکہ اب تو دوسروں کو بھی سکھانے لگے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ انہوں نے لوکل باڈیز کے انتخابات کرانے کی بات کی تھی، مگر بعد میں حیدرآباد کی پریس کانفرنس میں انہوں نے یہ انکشاف کر کے سب کو حیران کر دیا کہ انہوں نے تو یہ "شوشہ" چھوڑا تھا تاکہ اس کا ردِ عمل دیکھ سکیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ لوکل باڈیز کے انتخابات کے ساتھ ان کی قومی حکومت والی بات بھی محض ایک شوشہ ہو۔ خدا کرے قومی حکومت والی بات شوشہ نہ ہو، نہیں تو ہمارے مفتی محمود صاحب بہت پریشان ہوں گے۔ کیونکہ مفتی صاحب قومی حکومت کے بارے میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ مفتی صاحب قومی حکومت کی تشکیل کے بارے میں اتنے سنجیدہ ہو گئے کہ اپنے پرانے رفیقوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ مفتی صاحب این ڈی پی کی قیادت پر جس سخت لہجے میں برسے ہیں اس سے ان کے غصّے کا اندازہ ہوتا ہے۔ مفتی صاحب کے اس غیر متوقع رویّے پر این ڈی پی کی قیادت کی طرف سے بھی ردِ عمل کا اظہار کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں این ڈی پی کے رہنماؤں کے بیانات بھی آ چکے ہیں اور اسی قسم کے جذبات کا اظہار وہ نجی ملاقاتوں میں بھی کرتے رہے ہیں این ڈی پی کے سربراہ سردار شیر باز مزاری جو اس وقت ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں جانے سے کچھ دن پہلے اپنی رہائش گاہ پر ایک شناسا سے ملاقات میں مفتی صاحب کے رویّے پر سخت ردِ عمل کا اظہار کیا انہوں نے کہا میں مفتی محمود کے بیانات صبر اور تحمّل کے ساتھ سن رہا ہوں، وقت آنے پر انہیں مکمل طور پر ننگا کروں گا۔ مزاری صاحب نے مفتی کے بارے میں کہا "یہ شخص اقتدار کا بھوکا ہے اب تو کرسی حاصل کرنے کے لئے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے" قومی حکومت کے بارے میں مزاری صاحب نے کہا ہم قومی اتحاد چھوڑ سکتے ہیں، حتیٰ کہ میں سیاست چھوڑ سکتا ہوں مگر قومی حکومت میں شامل نہیں ہو سکتے۔" انہوں نے کہا کہ میں نے اور خان عبدالولی خان (ملک سے باہر جانے سے پہلے) اسلام آباد میں ملاقات میں جنرل صاحب پر بالکل واضح کر دیا تھا کہ ہم غیر منتخب حکومت میں کسی صورت میں شامل نہیں ہو سکتے

مرکزی اور صوبائی سطح پر تو ابھی قومی حکومت نہیں بن سکی۔ باقی شہری، ضلع اور تعلقہ سطح پر قومی حکومت ضرور بن گئی ہے۔ ان سطحوں پر شہری کمیٹیوں کی شکل میں

"قومی حکومت قائم کی گئی ہے جس میں اور سیاسی جماعتوں کے ساتھ پیپلز پارٹی کے نمائندوں کو بھی شامل کیا گیا ہے اندرون سندھ سے آنے والی اطلاعات کے مطابق اب تک ایسی کمیٹیوں کے جو اجلاس منعقد ہوئے ہیں ان میں ایک دو جگہوں کے علاوہ کہیں بھی پی پی کے نمائندوں نے شرکت نہیں کی اور اپنے آپ کو ان کمیٹیوں سے الگ رکھا ہے۔ انتظامیہ کی طرف سے مسلسل ان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ ان اجلاسوں میں شرکت کریں مگر سنا ہے کہ پی پی کے نمائندوں نے جواب دیا ہے کہ جب ہمیں بدعنوان وغیرہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے تو پھر ہمیں ان کمیٹیوں میں شامل کیوں کیا جا رہا ہے دوسری طرف عوام کی طرف سے دباؤ بڑھتا جا رہا ہے کہ پی پی کا جو

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

سیاسی مبصر کے قلم سے

ڈیورنڈ کا مردہ زندہ ہوگیا

معاہدہ لاہور
بھٹو اور سردار داؤد کے مابین ایک اہم سمجھوتہ

موت ابدی نیند ہے، آخری نیند۔ انجیل میں مذکور ہے کہ یسوع مسیح نے جو کئی معجزے دکھائے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے لازارس کو قبر سے نکال کر زندہ کیا۔ مذہب نے ابدی نیند کو توڑ دیا۔ سائنس اس کمال تک پہنچنے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہی ہے آیئے مذہب اور سائنس کو ان کے حال پر چھوڑیں اور افسانوی دنیا میں پناہ لیں۔

کہانی کی ابتدا انگلستان میں ہوتی ہے۔ سارا ملک چشم براہ ہے، سارے ماحول پہ صرف ایک موضوع چھایا ہوا ہے۔ عقیدت، نسلی تعلقات، بے روزگاری اور شمالی آئرلینڈ جیسے مسائل پس منظر میں چلے گئے ہیں اور اخبارات کے اندرونی صفحات میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک ہی سرخی ہے اور گفتگو کا ایک ہی موضوع ہے۔ ڈیلی ایکسپریس نے شہ سرخی کے ساتھ تہلکہ خیز خبر دی ہے۔ سرخی ہے "آپ مانیں نہ مانیں۔ ڈیورنڈ قبر سے نکل آیا ہے۔" اکثر لوگوں نے یقین نہیں کیا۔

"تجسس نے بلی کو مار ڈالا۔" کہاوت تو یوں ہے لیکن تجسس نے اینگلو سیکسن کو ہلاک نہیں کیا۔ جیسے جیسے خبر پھیلتی گئی۔ زیادہ سے زیادہ لوگ تجسس کے متعدی مرض میں مبتلا ہوتے گئے، ڈیوڈ فراسٹ نے نکسن کو کیلی فورنیا میں چھوڑا اور لندن کی طرف دوڑ لگائی، پانچ دن کے اندر اندر سارا ملک سراسیمگی میں مبتلا ہوگیا۔ حیرانگی کا بخار یورپ اور امریکہ تک پھیل گیا۔ پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کی قائد مسز مارگریٹ تھیچر نے اس راز کے انکشاف کے لئے پارلیمنٹ میں بحث کا مطالبہ کیا۔ بردبار اور جذبات سے عاری چہرہ نظر آنے والے وزیر اعظم نے ایوان کو بتلایا کہ اس موضوع پر بحث سے مفادِ عامہ کو نقصان پہنچے گا اس کی بجائے مسٹر کالیہان نے ایوان کو یقین دلایا کہ وہ قائد حزب اختلاف اور پارلیمنٹ کے دوسرے سرکردہ اراکین کو اعتماد میں لیں گے اور وقفے کے فوری بعد انہیں صورتِ حال سے آگاہ کریں گے۔ حزب اختلاف کے ایک سرکردہ رکن نے تجویز پیش کی کہ "بند کمرے

بھٹو نے ہمارے منصوبوں پر جھاڑو پھیر دی

میں بحث کی جاتے"۔ برطانوی وزیراعظم نے یہ کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ ایسی باتیں پاکستان میں ہوتی ہیں"۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ" بنیادی حقوق پہ سمجھوتہ خطرناک اور ناقابلِ تنسیخ حقوق کی توہین ہے" اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے مسٹر کالیہان نے اضافہ کیا کہ "برطانوی جمہوریت کی اعلیٰ ترین روایات کے مطابق برطانوی عوام یا تو بھرپور بحث کے حقدار ہیں یا پھر جب تک حالات اجازت نہ دیں اس پر سرے سے بحث ہی نہیں ہونی چاہیئے۔" چرچل کے سے انداز میں وہ کہتے گئے کہ" جزائر کے عوام کو فریب دے کر برطانوی جمہوریت کے خاتمے کی قیادت کرنے کے لئے میں ہر میجسٹی کی حکومت کا پہلا وزیر نہیں بنا ہوں۔ اس طرح تو ہم کوٹ لکھپت جیل میں بھی بحث کر سکتے ہیں" برطانوی وزیراعظم نے آخر میں یہ کہا کہ" میں نے پاکستان کا دوبارہ حوالہ تعصب کی بنا پر نہیں دیا ہے بلکہ ڈیوبنڈ معاملے کا تعلق پاکستان اور افغانستان سے ہے"۔

دریا کے اس پار فرانسیسی چڑچڑے ہی رہے جرمن بڑھتے ہوئے شک و شبہے کے ساتھ اس واقعے پر نظر رکھ رہے تھے۔ ڈالر کی قیمت میں مزید کمی واقع ہو گئی۔ ڈاکٹر ڈیوڈ اوون اور چمک دمک والے" سامراج دشمن" مسٹر اینڈریو ینگ' جو کالے آدمی کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں' نے لندن میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا۔ اخبارات کو مشورہ دیا گیا کہ وہ پرسکون ہو جائیں۔ ڈیوبنڈ معاملے کو ایک سائنسی موڑ دیا گیا۔ کانفرنس کو بتایا گیا کہ مردوں کو زندہ کرنے کے سلسلے میں کافی عرصے سے سائنسی تحقیقات جاری تھیں۔ دونوں رہنماؤں نے تبدیلیٔ قلب اور گردوں کی پیوندکاری کی مثالیں دیں۔ انہوں نے حیاتیاتی (بایونک) تجربات کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ بیرونی خلائی مہمیں موت کو ہلاک کرنے کے ہولناک منصوبے کا صرف ایک ظاہری حصہ ہے۔

ڈاکٹر ڈیوڈ اوون نے صحافیوں سے کہا کہ ریاست ہائے متحدہ اور برطانیہ عظمیٰ فطرت سے بغاوت پر تلے ہوئے ہیں۔ برطانوی فارن سکریٹری کا چہرہ یہ کہتے ہوئے جارحانہ وطن پرستی کے جذبے سے سرخ ہو رہا تھا کہ برطانیہ نے پہلے بھی سلطنت برطانیہ میں سورج کو ڈوبنے نہ دے کر اس کا مظاہرہ کیا ہے اور اب ریاست ہائے متحدہ کے ساتھ مل کر موت کو ہلاک کر کے دوبارہ اس کا مظاہرہ کرے گا۔ مسٹر اینڈریو ینگ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ سلطنت برطانیہ میں سورج اس لئے نہیں ڈوبتا تھا کہ خدا کو اندھیرے میں انگریزوں پر بھروسہ نہیں تھا۔ یہ سن کر ڈاکٹر ڈیوڈ اوون نے یوں ظاہر کیا جیسے انہیں غصہ آ گیا ہو۔ ان کے گالوں کے گڑھے غائب ہو گئے اور وہ چلائے" اگر مغرب اپنے لازمی زوال کے آگے جھک چکا ہے تو ہم تہیہ کر چکے ہیں" مغرب مردہ باد" کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے ساتھ دنیا کو بھی لے ڈوبیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا ہمارے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے" برطانوی فارن سکریٹری کہتے رہے" ہمیں افریقہ سے باہر دھکیلا جا رہا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں ہم سروتے کے بیچ پھنس گئے ہیں۔ ایشیا اور لاطینی امریکہ ہمارے ہاتھوں پھسلے جا رہے ہیں۔ گو کہ سطحی علامات اس کے برعکس ہیں۔ جاپان اور چین کسی" زرد کھیل" میں مشغول ہیں۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ" خواتین و حضرات ہم میز الٹنے پر مجبور ہیں' چاہے اس میں ہمیں خالق کے مقابل ہی کیوں نہ کھڑا ہونا پڑے۔"

پریس کانفرنس اور الجھاؤ اور ناامیدی کا سبب بنی۔ مگر وہ جو سفارت کاری کے زیادہ لطیف فن کا علم رکھتے ہیں وہ فریب میں نہیں آتے۔ یورپ کے ایک مشہور صحافی نے فکرمندی کے ساتھ اس رائے کا اظہار کیا:" ایکٹ ا سے ایکٹ ۳ تک سارے کا سارا ڈرامہ تھا"۔ اپنی اس یوروپی حسِ مزاح کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے مزید کہا کہ" شکر ہے کہ واشنگٹن نے ہیملٹن گورڈن کو اہرام دیکھنے کے لئے نہیں بھیجا۔ بہر حال اس گمبھیر معاملے کا تعلق قبر سے ہے اور اہرام فرعونوں کی قبریں ہیں۔"

کوئی خبر چاہے کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو لافانی نہیں ہوتی۔ وہ اس وقت تک منظرِ عام پر رہتی ہے جب تک لوگ اس میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں ورنہ اس کی اہمیت اور ندرت کچھ بھی ہو اور وہ کتنی ہی نمایاں کیوں نہ ہو وہ دھندلا کر غائب ہو جاتی ہے۔ ڈیوبنڈ معاملہ بھی اس زمرے سے خارج نہیں تھا۔ شراب خانوں اور پارٹیوں میں زیادہ تازہ واقعات گفتگو کا موضوع بن گئے۔ بہر حال کسی نے ڈیوبنڈ کو قبر سے نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ شاید کوئی خبط الحواس ایشیائی تارک وطن اس کی ہڈیوں کو اسی طرح اٹھا لے گیا ہو جس طرح حال ہی میں جینوا میں چارلی چپلن کی قبر سے اس کا جسم کوئی اٹھا لے گیا ہے۔

جب کہ ڈیوبنڈ کا قصہ مٹتا جا رہا تھا انہی دنوں اس سے حیران کن حد تک مشابہت رکھنے والا ایک شخص پشاور کے قصہ خوانی بازار میں دیکھا گیا ہے۔ نئے انٹرکونٹی نینٹل ہوٹل کو مسترد کر کے اس نے قدیم طرز کے ڈینیز ہوٹل میں کمروں کے ایک سوٹ کی بکنگ کرائی۔ اس نے رُس کپل اور ڈنڈاس کی طرح کی شاہانہ مونچھیں پال رکھی تھیں۔ اس نے ٹوئیڈ کے جیکٹ، گھوڑا سواری کی برجیس اور لانگ بوٹ پہن رکھے تھے۔ اس نے جانے پہچانے لیکن اب تقریباً فراموش شدہ شاہانہ طرزِ تخاطب" کوئی ہے" سے بیرے کو متوجہ کیا۔ جب وہ اسکاچ اور سوڈے سے لطف اندوز ہونے کے لئے بیٹھا اس وقت تک وہ اپنے مشن کی تکمیل کر چکا تھا اور قبر میں لوٹنے سے پہلے ایک ماہ کی رخصت پر تھا۔ وہ گیارہ دن سے صوبۂ سرحد میں تھا۔ ان گیارہ دنوں میں اس نے' رزمک' مالاکنڈ اور خود درے کا دورہ کیا تھا اور دوسرے کئی جانے پہچانے مقامات دیکھے تھے۔ اسی سال پہلے بڑا خطرہ مول لے کر وہ گھوڑے کی پشت پر اسی راستے سے گزرا تھا۔ اس بار نئی تیار شدہ سڑک پر دوڑتی ہوئی جیپ میں وہ اسی راہ گزر سے گزرا تھا۔ اس کے لئے بڑی حیرانگی کی بات تھی کہ ماضی کے اس وحشی قبائلی علاقے میں اس پر یا اس کے محافظوں پر کسی ایک پختون نے بھی گولی نہیں چلائی۔

ڈیوبنڈ اس رات بڑی دیر تک سوچتا رہا وہ اپنے آپ سے سرگوشیاں کرتا رہا کہ یہ جگہ کتنی بدل گئی ہے آیئے اس کی باتیں سنیں" اس علاقے میں بڑی زبردست تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں لیکن جو چیز مجھے حیران کر رہی ہے یہ ہے کہ اکثر بنیادی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ایسے دور میں جب کہ وہ

یحییٰ صرف مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھونے کیلئے آئے تھے

شیطان آدمی بھٹو برسرِ اقتدار تھا۔ اس نے ہمارے سارے اندازوں اور منصوبوں کو الٹ کر رکھ دیا۔ ہماری "فارورڈ پالیسی" کی ناکامی کے بعد یہ فیصلہ ہوا تھا کہ ایک آزاد علاقہ ایک طرح کی حدِ فاصل جسے قبائلی علاقوں کا نام دیا گیا تھا کے ساتھ ایک اور حدِ فاصل قائم کی جائے اس علاقے میں ایک "ماہرانہ بے عملی" کو حاوی رہنا تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ "راج" کے دوسرے علاقوں میں کوئی بڑی ترقی ہو رہی تھی بلکہ اس علاقے کو قدیم ترین صورت میں برقرار رکھنا تھا اور یہاں کے لوگوں کے نکتہ نظر کو انفرادیت پسند رکھنا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس علاقے کے لوگوں کو سڑکوں، اسکولوں اور اسی طرح کی دوسری تمام چیزوں سے محروم رکھنا تھا تاکہ اس وقت یا بعد میں اس علاقے کا استحکام ممکن نہ رہے۔ اس کی پرورش قبائلی جذبات اور انفرادیت پسندانہ اقدار پر ہونی تھی تاکہ انہیں تباہ کن جھگڑوں میں الجھائے رکھنا یا انہیں ہمارے فائدے میں استعمال کرنے میں زیادہ مشکلات نہ پیش آئیں۔ یہ ایک سادہ مگر بہیمانہ اسکیم تھی لیکن ہم نے شاندار کامیابی کے ساتھ عمل درآمد کیا۔ ہمارا اسی سے متعلق ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ اس علاقے کو حدِ فاصل کے اندر حدِ فاصل کے طور پر رکھیں۔ اس نازک فرض کی ادائیگی میں سرکار انگلشیہ نے انتہائی موزوں سرپرستوں کی تلاش میں آس پاس کو دیکھا۔ ایک سو سال بیت چکے ہیں لیکن میں اب بھی اس فخر و مسرت کو چھپا نہیں سکتا جو میرے انتخاب کے اعزاز نے مجھے دی۔ مجھے وہ دن اب بھی یاد ہے جب وائسرائے نے مجھے وائسریگل لاج میں طلب کیا۔ وائسرائے نے مجھ سے کہا "دیکھو ڈبلیو ٹی۔ تم مسئلے سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس مشن کی تکمیل کی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے ہم ہمیشہ ہمیشہ ہندوستان میں نہیں رہیں گے لیکن ہمیں یہ ضمانت حاصل کرنی پڑے گی کہ ہمارے مفادات مستقل رہیں۔ اس کو ممکنہ حد تک یقینی بنانے کے لئے ہمیں اپنے پیچھے بے شمار "ناقابل حل" مسئلے کو چھوڑنا پڑے گا۔ تمہیں خود کو تسلیم کروانے کے لئے ایک ایسی سرحد کی حد بندی کرنی ہے جسے ہمارے جانے کے بعد کبھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اگر تم اس فریضے کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہو تو اس کے تسلیم نہ کئے جانے کی شکل میں تمہیں لافانی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور تم ہز مجسٹی کی شاہانہ حکومت کے بنیادی مقاصد میں ایک مقصد کی تکمیل کرو گے مزید ہدایات تمہیں پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ سے ملیں گی۔ خوش قسمتی تمہارے ساتھ ہو اور اس دوران کوئی کانٹا نہ بن جانا۔

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کی ہدایات بحیثیتِ مجموعی غور و فکر سے مبرا تھیں۔ پہلے شراب خانے کی باتیں ہوئیں۔ مجھے بتایا گیا کہ مجھے خود کو لافانی بنانے کا ایک موقع فراہم کیا گیا ہے۔ ورنہ میں بھی دوسرے تمام اسمتھوں اور جونوں کی طرح ختم ہو جاتا جنہوں نے بڑی ذہانت سے سلطنت کی خدمت انجام دی لیکن تاریخ میں کوئی مقام نہ پا سکے۔ مجھے یاد دلایا گیا کہ ہندوستان کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں اکبر اور اورنگ زیب کے بعد صرف برطانیہ ہی وہ طاقت ہے جس نے متحدہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حکومت کی ہے اس عظیم الشان ورثے کو جتنی زیادہ مدت تک ممکن ہو محفوظ کرنا چاہئے لیکن یہ ہمیشہ ہمیشہ برقرار نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد مجھے برطانیہ کے مستقبل کے مفادات کی تفصیلات بتلائی گئیں۔ مجھ پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ مقامی لوگوں کی آزادی کے بارے میں برطانیہ کا وعدہ نیک نیتی پر مبنی مقاصد کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے برطانیہ یورپ کے ہاتھوں خام مال کی ایک بڑی منڈی کے استحصال کے لئے ہندوستان کو متحد چھوڑ جانے کو ترجیح دے گا لیکن اگر برصغیر کے دو، تین یا اس سے بھی زیادہ حصوں میں تقسیم ہو جانا پسند کرے تو اس سے برطانیہ پر کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا۔ راج کا اولین مفاد یہ ہے کہ اپنے پیچھے ایک ایسا برصغیر چھوڑ جاتے جو ناقابل حل مسائل کے بوجھ تلے دبا ہوا ہو اور برطانیہ نوآبادیات کے خاتمے کے بعد برصغیر اور اس علاقے کی خام مال کی منڈی یا منڈیوں کا استحصال جاری رکھ سکے۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اپنے مشن کا اس سیاق و سباق میں جائزہ لوں۔

میں ان موٹے موٹے مقاصد سے ناواقف نہیں تھا۔ میرا تعلق سول سروس کی اعلیٰ جماعت سے تھا جو اس کے مداحوں میں برطانوی برہمنوں کی حیثیت جانی جاتی تھی اور اس کے بدنام کرنے والے اسے شرارتوں کا بانی بتلاتے تھے۔ ہمارے مداح ہمیں معمار کہتے تھے اور نقاد بہت بڑے پھوٹ ڈالنے والے۔ ایک فرد کی غذا دوسرے فرد کے لئے زہر ہوتی ہے۔ سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ آپ مسائل کو کس نکتہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور متصادم مفادات کو کیا معنی پہناتے ہیں۔ ہماری امریکی نوآبادیوں کو چھوڑ کر ایشیا اور افریقہ کی نوآبادیوں میں برطانیہ کے مفادات کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ اپنے پیچھے غیر حل شدہ اور ناقابلِ حل مسائل چھوڑ جاتے۔ ہم ستی کی رسم کا خاتمہ کرنے یا کم عمری میں شادیاں روکنے کے لئے برصغیر نہیں آتے تھے۔ ہماری فتح کا مقصد اقتدار اور استحصال میں پوشیدہ تھا۔ ہمارے ہدف، طریقہ کار اسی حکمت عملی کی تکمیل کے لئے تراشے گئے تھے، ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ہمارے جانے کے بعد ہندوستان متحد رہے گا یا تقسیم ہو جائے گا۔ ہمیں صرف یہ فکر تھی کہ ہم اس کے خام مال کے استحصال کو جاری رکھ سکیں۔ مثال کے طور پر ایک بار ہم نے برما کو ہندوستان میں ضم کر دیا اور لارڈ کرزن یہی سلوک افغانستان کے ساتھ بھی کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے برما کو الگ کر دیا کیونکہ یہ تجربہ ٹھیک نہیں نکلا۔ ہم نے کئی معقول وجوہات کی بنا پر افغانستان کے الحاق کی مہم ترک کر دی۔

بنیادی باتیں بنیادی باتیں ہیں۔ ہمارا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اپنے پیچھے دیرپا مسائل چھوڑ جائیں ایسے مسائل جو مستقل کشیدگی کا موجب ہوں تاکہ سلطنت کے خاتمے کے بعد کے ہمارے مقاصد کی راہ ہموار ہو۔ ناقابل حل مسائل میں ہمارا فائدہ یہ

انہوں نے مناسب وقت پر ہماری کوششوں کو ہلاک کردیا

تھا کہ ہم اس علاقے پر اپنے اثرات کو جاری رکھ سکیں جس کا لازمی نتیجہ اس علاقے کے وسائل کا استحصال ہو۔ یہ ہمارا اعلیٰ ترین مقصد تھا چاہے ہندوستان متحد رہے یا تقسیم ہو جاتے۔

اس مقصد کے حصول میں اپنے حصے پر مجھے فخر ہے میں نے اس سرحد کی حد بندی کی جو میرے نام سے موسوم ہے میں نے برطانوی شہنشاہیت کے احکام کی تکمیل کی ڈیورنڈ لائن اس وقت تسلیم کی جاتی رہی جب تک ہندوستان میں راج برقرار رہا۔ وائسرے کے حکم کے مطابق اس پر اسی وقت تنازعہ کھڑا ہو گیا جب راج دست بردار ہوا۔ میں نے حدِ فاصل کے اندر ایک حد فاصل قائم کرکے اپنے دورِ حکومت میں اسے تسلیم کروا کر اور اپنی روانگی کے فوری بعد اسے متنازعہ بنا کر میں نے اپنے مشن کی تکمیل کی تمام تقاضے پورے ہو گئے تھے۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ روانگی کے بعد اس لائن کے تسلیم نہ کیے جانے میں میری حیثیت تسلیم کی گئی ہے یا نہیں مجھے پورا بھروسہ تھا کہ میں نے اپنے پیچھے ایک ناقابلِ حل مسئلہ چھوڑا ہے۔

مملکت ہند کے عوام نے اور ان کے رہنماؤں نے مملکت کو ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کرنا پسند کیا۔ دونوں مملکتوں نے ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کی اور دولت مشترکہ میں شامل رہنے کا فیصلہ کیا چند میدانوں میں ہمارا اثر گھٹ گیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ چند میدانوں میں بڑھ گیا تسرگی حامل ہماری خود کار اسکیمیں اسی لمحے حرکت میں لائی گئیں جس لمحے ہم نے یونین جیک اتارا۔ لاکھوں مقامی لوگوں نے ایک دوسرے کو ہلاک کیا جھگڑوں سے کمزور ہو کر دونوں ممالک نے ہم سے اور امریکیوں سے رجوع کیا۔ تیس سال کے اندر اندر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چار جنگیں ہوئیں ۱۹۷۱ء میں ہمارے لندن پلان کے مطابق برصغیر کے تیسرے ملک کے طور پر بنگلہ دیش ابھرا۔ دوسری جانب میری خوشی اور پیش گوئی کے مطابق پاکستان کی تمام تر کوششوں کے باوجود افغانستان نے ڈیورنڈ لائن کو تسلیم کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔

افغانستان سے دوستی کے طور پر پاکستان کے بانی نے ہماری قائم کردہ سرحدی چوکی سے پاکستانی فوجیں پیچھے ہٹالیں لیکن افغانوں نے ڈیورنڈ لائن کو تسلیم نہیں کیا پاکستان میں یکے بعد دیگرے برسرِ اقتدار آنے والی حکومتوں نے افغانستان کو فراخدلی کے ساتھ راہداری کی سہولتیں دیں اس پر بھی افغانوں نے ڈیورنڈ لائن کو تسلیم نہیں کیا۔ ایوب خان جھنجلا گئے اور افغانستان سے سفارتی تعلقات توڑ لیے اس کے باوجود افغانوں نے ڈیورنڈ لائن تسلیم نہیں کی۔ ایوب خان کے بعد یحییٰ خان صرف مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھونے کے لیے آئے۔ اگر یحییٰ خان ایک سال اور برسرِ اقتدار رہتے تو ہمارے لندن پلان کا دوسرا حصہ بھی تکمیل کو پہنچ جاتا اور یقینی طور پر پاکستان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ جاتا۔

اس طرح شروع ہی سے ہر بات منصوبے کے مطابق ہوتی رہی حقیقتاً منصوبہ اتنا مکمل تھا کہ ۱۹۴۷ء سے لیکر ۱۹۷۱ء تک نوآبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد سے اس میں زیر زبر کی بھی تبدیلی نہیں کرنی پڑی۔ تب یہ شیطان آدمی ذوالفقار علی بھٹو آیا جس نے ہمارے عظیم الشان منصوبے کو کھٹائی میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ مجھے جگانا پڑا اور سو سال بعد مجھے اس خطے میں لایا گیا۔ اس نے ہمارے تمام عظیم منصوبوں اور بنیادی مقاصد جن پر ہم نے "دائمی منصوبہ" بنایا تھا پر جھاڑو پھیر دی۔ اس نے سوویت یونین سے جھگڑنے کی بجائے اس بڑی طاقت سے تعلقات بحال کیے اس نے کٹے پھٹے پاکستان کے چین سے تعلقات کو مزید استحکام دیا۔ ماؤزے تنگ اسے بہت پسند کرنے اور اس کا احترام کرنے لگے۔ اس نے ایران اور عرب ممالک سے پاکستان کو اور زیادہ قریب کیا۔ اس نے بنگلہ دیش سے رشتے قائم کرکے فراست کا مظاہرہ کیا۔ شملہ میں ہندوستانی کے ساتھ ایک باعزت توازن حاصل کیا۔ یہ شاندار کامیابیاں تھیں لیکن مجھے یہ دیکھ کر تب بھی اطمینان ہوتا تھا کہ وہ میری لائن پھلانگنے کے قابل نہیں ہوا۔ گو کہ ہمسایہ اور غیر ہمسایہ دوسرے ممالک سے تعلقات میں اسے بے پناہ کامیابی حاصل ہوتی پھر بھی افغانستان سے اس کے تعلقات کو اگر بہت گھٹا کر بھی بیان کیا جائے تو معمول سے بہت دور تھے۔ پھر بھی اس دل خوش کن صورتِ حال کے باوجود میں بے چینی محسوس کر رہا تھا کہ اسے اس آزاد علاقہ میں جو قبائلی علاقہ کہلاتا ہے یکجہتی پیدا کرنے میں بڑی خاموش کامیابی حاصل ہو رہی تھی اس نے کسی شور شرابے کے بغیر غیر مہذب قبائلی خطے کی ترقی کے زبردست منصوبوں پر کام شروع کر دیا بڑی اہمیت کی حامل سڑکوں کا جال بچھا کر اس نے کٹی پھٹی بلند پہاڑیوں تک رسائی حاصل کی۔ اس نے رزمک سمیت سرحدی چوکیاں دوبارہ قائم کیں۔ دیہاتوں کو بجلی فراہم کی جنگجوؤں کو پینے کا پانی مہیا کیا۔ بچوں کو اسکول زخمیوں اور مفلوں کو ہسپتال دیئے۔ دور افتادہ کوہساروں میں خدمت بھی پہنچائی۔ وزیرستان فیکٹریاں پہنچانا ایسا ہی تھا جیسے ہنی بال نے کوہ الپس کو پار کیا تھا۔ فوجوں کی نقل و حرکت اور قبائلیوں کے خندقوں سے ایک دوسرے پر فائرنگ کی جگہ ٹریکٹروں اور بلڈوزروں کی نقل و حرکت نے لے لی یہ ایک حیران کن کایا پلٹ تھی جو ایک ماہر فنون کے ہاتھوں صورت پذیر ہو رہی تھی۔ ان کامیابیوں نے مجھے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ سو سال میں پہلی بار مجھے حیرانگی کا سامنا کرنا پڑا۔ مجھے یقین ہے کہ یہی سب سے بڑے عناصر میں سے ایک تھا جس کو صدر پاکستان نے اہمیت دی اور جون ۱۹۷۶ء میں وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو کابل آنے کی دعوت دی تاکہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان واحد سیاسی مسئلے کو طے کریں جب میں نے یہ خبر سنی مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا۔ وہ واحد سیاسی مسئلہ میں تھا میں نے اپنے اعلیٰ افسروں سے حلفیہ وعدہ کیا تھا کہ جو مسئلہ میں نے پیدا کیا تھا اسے برطانیہ کے جانشین حل نہیں کر سکیں گے جب جون ۱۹۷۶ء میں مسٹر بھٹو کابل گئے تو "دائمی منصوبے" سے متعلق ہم تمام لوگوں اور خاص طور پر میں نے گہری فکرمندی کے ساتھ دم سادھ لیئے۔

واشنگٹن اور وائٹ ہال دونوں وزیر اعظم پاکستان کی سفارت کاری میں مہارت اور تیزی سے بخوبی واقف تھے۔ یہ بات بھی معلوم تھی اور اسے تسلیم کیا جاتا تھا کہ یہ دو ہم پلہ اور دو ماہرین فن افراد کے درمیان مقابلہ اور مکالمہ ہے۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے سردار محمد داؤد سے رابطہ کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ کابل میں مذاکرات خارجہ تعلقات کے طلباء کے لیے ایک رنگا رنگ دعوت تھے دونوں رہنماؤں نے اپنے کسی مشیر کی مدد کے بغیر اور صرف ایک مترجم کے تعاون سے بنیادی مذاکرات کیے کابل مذاکرات نمایاں ترقی اور رجائیت پر منتج ہوئے اس سے ایک مثبت مشترکہ اعلامیہ وجود میں آیا۔ اسی تسلسل کے

مذاکرات پاکستان بین کابل میں پیش رفت کے دو ماہ بعد اگست ۱۹۷۶ء میں منعقد ہوئے افغانستان اور پاکستان کے سربراہانِ حکومت ایک بار پھر تنہا اور اسی ترجمان کے ساتھ راولپنڈی میں ملے۔ راولپنڈی میں مذاکرات کے بعد دونوں رہنما ایک آزمائشی فارمولے پر متفق ہو گئے یہ فارمولا کاغذ پر الفاظ کا جامہ پہنائے جانے کے لئے مشیروں کے حوالے کیا گیا پاکستان اور افغانستان کے وفود گھنٹوں تک قانونی جنگ میں الجھے رہے۔ آخر کار معاہدے کا ایک مسودہ تیار کیا۔ مذاکرات کا آخری دور راولپنڈی میں شروع ہو کر لاہور میں جاری رہا اور مری میں خوشگوار اختتام کو پہنچا۔ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کے فروغ کے لیے صدر افغانستان نے چند تجاویز وزیر اعظم پاکستان کو پیش کیں۔ اس بات پر بھی اتفاق رائے ہو گیا تھا کہ وزیر اعظم پاکستان، پاکستان اور افغانستان کے درمیان معاہدے کو رسمی طور پر تکمیل تک پہنچانے کے لئے مستقبل قریب میں کابل کا دورہ کریں گے۔ افغانستان کی طرف سے زور دیا گیا تھا کہ یہ دورہ جس قدر جلد ممکن ہو کیا جائے افغانستان اگلے سال کے اوائل میں اپنے سیاسی ارتقا کے ایک اور مرحلے میں داخل ہونے والا تھا۔ گو کہ وزیر اعظم پاکستان کے دورۂ کابل کی کوئی تاریخ مقرر نہیں کی گئی تھی۔ تاہم تاثر یہ تھا کہ یہ اکتوبر یا نومبر ۱۹۷۶ء میں ہو گا۔ میں ان اور دوسری تمام تفصیلات سے واقف ہوں۔ اس لئے ان معلومات سے مسلح رہنا میرا فرض ہے۔ معاہدۂ لاہور کا مسوّدہ میری جیب میں ہے۔ کیسا عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ معاہدے کے مسوّدے پر اتفاق راولپنڈی یا مری میں نہیں بلکہ لاہور میں ہوا تھا۔ جب افغان افواج نے سکھ حکمرانوں سے جنگ کی تھی اس وقت لاہور دارالحکومت تھا۔ اسی لاہور میں رنجیت سنگھ نے افغان حکمرانوں سے کوہِ نور ہتھیایا تھا۔ سردار محمد داؤد اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان افغانستان اور پاکستان میں ہونے والی دو ملاقاتوں کی مکمل تفصیلات صرف مجھ جیسے پیشہ وروں کے علم ہی میں نہیں ہیں بلکہ بہت سے افراد اور ریاستیں بھی اس سے واقف ہیں۔ مذاکرات کے مستقبل کے بارے میں دونوں رہنماؤں نے اپنی اپنی جماعتوں کی مرکزی کمیٹیوں کو تفصیلات سے آگاہ کیا تھا۔ مذاکرات میں پیش رفت اور اس کے عمومی نتائج سے بعض صورتوں میں کسی ایک فریق نے اور بعض صورتوں میں دونوں حکومتوں کی طرف سے دوست یا ان سے تعلق رکھنے والی کئی حکومتوں کو مطلع کیا۔ میری حکومت کو براہِ راست اطلاع نہیں دی گئی۔ سرکاری طور پر کہا جاتے تو ہم نے دوسرے درجے پر معلومات حاصل کیں غیر سرکاری طور پر کہا جاتے تو ہم نے کابل اور اسلام آباد کے استقبالیوں میں تفصیلات حاصل کیں۔ اس لئے اگر میں ان نتائج کو لفظ بہ لفظ بیان کر دوں تو کسی ریاستی راز کا افشا نہیں ہو گا۔ میں بنیادی طور پر دو وجوہ کی بنا پر اس میں جھجک رہا ہوں۔ اول یہ ہماری سرگرم کوششوں نے ان نتائج کو مناسب وقت پر "ہلاک" کر دیا۔ دوسرے اس لئے کہ ہم اپنی کامیابی پر نہیں اترائیں گے اور پاکستان میں اپنے دوستوں کو شرمندہ نہیں کریں گے۔ مقصد تو مسٹر بھٹو کی شاندار کامیابی کو ساقط کرنا تھا۔ کلاسیکی فنکاری کے ساتھ یہ کام انجام دینے کے بعد بہتر یہی ہے کہ اس ماضی کو دفن کر دیا جاتے جو ہمارے لئے ناخوشگوار اور ناموزوں تھا۔

لیکن جناب بجدا ایک مرحلے پر تو اس شخص بھٹو نے ہمیں ناقابلِ بیان حد تک ششدر کر دیا تھا۔ سردار داؤد نے اگست ۱۹۷۶ء میں پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ جب ملکۂ معظمہ کی حکومت کو مذاکرات کے نتائج سے آگاہ کیا گیا تو دفترِ خارجہ اتھل پتھل ہو گیا ہمارے لڑکوں نے فوری اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ سے رابطہ قائم کیا۔ فطری بات ہے کہ اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ ان معاملات سے واقف تھا لیکن امریکی اور وجوہات کی بنا پر بھٹو کے لئے زیادہ پاگل ہو رہے تھے۔

اسی اگست کے مہینے میں اور اسی سال ۱۹۷۶ء میں اور اسی شہر لاہور میں ہنری کسنجر نے بھٹو کو ایک غیر سفارتی الٹی میٹم دیا تھا وجوہات کچھ بھی ہوں ہمارے لڑکے اس بات پر بہت خوش تھے کہ امریکی برطانیہ سے زیادہ بھٹو کے لئے پاگل ہو رہے تھے۔ وہیں اور اسی وقت فیصلہ کیا گیا کہ اکٹھے ہو کر برصغیر کے جینئس لیکن ہمارے اور ہمارے دوستوں کے لئے ماڈرن میکیاولی ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنایا جائے اس آپریشن کو "آپریشن کوکا کولا" کا نام دیا گیا۔

"آپریشن کوکا کولا" کی تفصیلات طے کرنے کے لئے برطانوی اور امریکی ماہرین کا اجلاس ۲ نومبر ۱۹۷۶ء کو لندن میں منعقد ہوا۔ جدید حربوں اور بیسویں صدی کے آلوں کے باوجود سازش کرنے والے تختہ الٹنے کا نقص منصوبہ بنانے میں بڑی دقت محسوس کر رہے تھے بھٹو عوام میں بے حد مقبول تھا۔ نمایاں کامیابیوں کا سہرا اس کے سر تھا اس نے نئے سرے سے ایک قابلِ احترام پاکستان کی تعمیر کی تھی اس نے تیسری دنیا کے اہم لیڈروں سمیت چند بڑی طاقتوں اور مسلم رہنماؤں سے مداحی اور حمایت حاصل کی تھی وہ اپنی ٹوپی میں اکتوبر یا نومبر میں ایک اور درخشاں کلغی کا اضافہ کرنے والا تھا۔ سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ تھی کہ اسے اکتوبر یا نومبر میں کابل جانے سے روکا جائے سوال یہ تھا کہ آخر کس طرح۔ ستمبر تو آ بھی چکا تھا۔ وقت ایک ٹائم بم کی طرح ٹک ٹک گزر رہا تھا۔ جب یہ محسوس کر لیا گیا کہ راستہ قطعی بند ہے تو دفترِ خارجہ کے ہیملٹن نامی ایک نوجوان نے کہا کہ ایک غیر معمولی صورتحال میں ہمیں ایک غیر معمولی اقدام کرنا پڑے گا ہمیں ایک پرانے آدمی کی ضرورت ہے جو اس اینگلو امریکی سازش میں شامل ہو میں سنجیدگی کے ساتھ تجویز پیش کرتا ہوں کہ فارن سکریٹری

"آپریشن کوکا کولا" کی تفصیلات لندن میں طے کی گئیں

سے درخواست کی جائے کردہ وزیر اعظم سے یہ منظوری حاصل کریں کہ اگر ٹیم کی قیادت کرنے کے لئے نہیں تو اس میں شامل ہونے کے لئے سر مورٹیمیر ڈیورنڈ کو قبر سے اٹھایا جائے برائے مہربانی حیران نہ ہوں ایک اور اہم معاملے میں اس کی تازہ مثال موجود ہے مملکت کی خدمت کے لئے اس آدمی کو اٹھایا گیا مشن کی تکمیل کے بعد اسے واپس بھیج دیا گیا ان لوگوں کے سوا جو اس سازش میں شریک تھے کسی اور کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اہم بات وزیر اعظم کی منظوری نہیں بلکہ ڈیورنڈ کو بھرتی کرنے کے سلسلے میں رازداری ہے۔ کچھ بحث مباحثے کے بعد ۱۳ نومبر ۱۹۷۶ء کو وزیر اعظم کی منظوری حاصل کر لی گئی اور مجھے ۱۶ نومبر ۱۹۷۶ء

کو سازشیوں کے "ہش ہش" کمرے میں داخل کر دیا گیا تعارف اور اس سے متعلقہ رسومات کے بعد مجھ سے کچھ طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

"اچھا سر مورٹیمر ڈیورنڈ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپکی لائن اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک ہندوستان پر ہمارا قبضہ برقرار رہے گا۔ اور اس کے بعد آپکی حیثیت اس طرح تسلیم کی جائے گی کہ آپ کی لائن کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اب عنقریب اسے تسلیم کیا جاتا ہے آپ کو کیا کہنا ہے؟

مجھے بُرا لگا لیکن میں نے اپنی خفگی کو قابو میں رکھا اور صبر و سکون کے ساتھ جواب دیا کہ "سرحد سے متعلق معاہدہ جو میرے نام سے موسوم ہے جس پر میں نے اور امیر عبدالرحمان خان نے ۱۲ نومبر ۱۸۹۳ء کو دستخط کیے تھے راج کے دوران میرے معاہدے کی یکے بعد دیگرے آنے والے افغان حکمرانوں نے چار مرتبہ توثیق کی۔ ۱۹۰۵ء امیر حبیب اللہ خان نے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۱ء میں امیر امان اللہ خان نے اور ۱۹۳۰ء میں شاہ نادر شاہ نے برطانوی راج کا اختتام ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ اگر ایک سال نہیں تو چند ماہ کے اندر میری لائن جس کی ہمارے راج کے دوران چار مرتبہ تصدیق ہو چکی تھی ہماری روانگی کے فوری بعد شاہ ظاہر شاہ نے اعتراض کیا اور اسے متنازعہ بنا دیا۔ تیس سال سے یہ متنازعہ رہی ہے اگر مجھے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے دیا جائے اور آپ حضرات میرے مشورے پر عمل کریں تو میرا مصمم ارادہ ہے کہ اپنی لائن کے تسلیم نہ کیے جانے کی شکل میں تاریخ میں زندہ رہوں، چاہے اسے عنقریب تسلیم کیے جانے والا ہی کیوں نہ ہو۔ میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ میں اب بھی اسے روک سکتا ہوں۔ میں اپنے نام کو فنا نہیں ہونے دوں گا۔ میں اس بات کا بندوبست کروں گا کہ میرے نام سے منسوب متنازعہ لائن کو پاکستان اور افغانستان کے درمیان قابل قبول بین الاقوامی سرحد میں تبدیل نہ کیا جائے اب محسوس ہوا کہ میرے اعتماد سے کمرے میں موجود لوگوں کا حوصلہ بلند ہوا اب مجھ سے کہا گیا کہ میں اکتوبر یا نومبر میں پاکستان کے وزیر اعظم کے دورۂ کابل کو روکنے کے مسئلہ کو حل کروں۔

یہ آپریشن بڑا نازک تھا اور وقت گذر رہا تھا غالباً وائے محنت اور ذمہ داریوں کی اس صورت میں تقسیم کے حق میں تھی کہ برطانوی اس بات کے ذمہ دار ہونگے کہ دورۂ کابل عملی شکل اختیار نہ کرے۔ اور امریکیوں پر یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خلاف بغاوت منظم کریں۔ "ہش ہش" کمرے میں ہم ۱۵ آدمی تھے ۱۵ میں سے ہم تین مجھ سمیت افراد کو فوری اسلام آباد پرواز کرنا تھا اور وہاں ۱۲۵ امریکی اور برطانوی جاسوسی عملے کے افراد پر مشتمل مشترکہ مشن کی قیادت کرنی تھی۔ باقی بارہ افراد کو سال کے آخر تک لندن میں قیام کرنا تھا۔ اور وہاں سے جنوری ۱۹۷۷ء کی ۱۰ تاریخ کو واشنگٹن ڈی سی منتقل ہونا تھا۔ ہم میں جن لوگوں کو اسلام آباد کے لیے روانہ ہونا تھا انہیں بتایا گیا کہ پاکستان میں امریکی سفیر مسٹر بائی روڈ کے معاملے میں شریک ہیں لیکن دو وجوہات کی بنا پر وہ مشن کے سربراہ نہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ مسٹر بائی روڈ بھٹو کو پسند کرنے لگے ہیں دوئم یہ کہ وہ مستقبل قریب میں ریٹائر ہو رہے ہیں یقیناً ہمیں ضمانت دی گئی تھی کہ مسٹر بائی روڈ جیسا کہ وہ کرتے آئے ہیں وفاداری کے ساتھ ہدایات پر عمل کریں گے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دلی طور پر آپریشن میں ساتھ نہ دیں اس وجہ سے ہمیں مشورہ دیا گیا کہ بہت محتاط رہیں اور مسٹر بائی روڈ کو اس کے سوا کچھ نہ بتایا جائے جو انتہائی ضروری ہو جنوبی ایشیا کے لیے سی آئی اے کے سربراہ نے جو اجلاس کی صدارت کر رہے تھے ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ مصیبت یہ کہ مسٹر بھٹو بڑے جادوگر ہیں۔ ہمارے باس جارج بش بھی ان کا احترام کرتے اور ان کے مداح ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے ہمیں رازداری میں بتایا کہ یہ بھی ان وجوہات میں سے ایک ہے جن کی بناء پر آئندہ ہفتوں میں جارج بش سی آئی اے کی سربراہی سے سبکدوش ہونے والے ہیں ایک پیشہ ور کی حیثیت سے جنوبی ایشیا کے لیے سی آئی اے کے سربراہ نے زور دیکر کہا کہ یہ کئی وجوہات میں سے صرف ایک وجہ ہے کم از کم مجھ جیسے پرانی وضع کے بوڑھے سول سرونٹ کو اختتامی ہدایات بے ڈھب اور حیران کن محسوس ہوئیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ اسلام آباد میں ہمارا ہیڈ کوارٹر نہ تو برطانوی سفارتخانہ ہوگا نہ ہی امریکی، ہمیں ہدایت دی گئی کہ ہم اپنی سازشیں مغربی یورپ کے ایک چھوٹے ملک کے سفارتخانے میں منظم اور مربوط کریں۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ اس سفارتخانے میں ہماری ملاقات غیر ضروری طور پر اپنی طرف متوجہ نہیں کرے گی۔ مزید وضاحت یہ کی گئی کہ اس سفارتخانے نے ۱۹۷۲ء میں مسٹر بھٹو کو جب کہ وہ وزیر خارجہ تھے حکومت سے نکالنے کے لیے سی آئی اے کی مدد کرنے میں قابل قدر کردار انجام دیا تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ مسٹر بھٹو کی وزارت خارجہ سے علیحدگی کے بعد انہیں بدنام کرنے کی غلط مہم اس سفارتخانے کے ذمے کی گئی تھی۔ بات ہماری سمجھ میں آگئی

ستمبر ۱۹۷۶ء کی ۲۴ تاریخ کو ہم تینوں مخالف راستوں سے اسلام آباد پہنچے۔ سب سے آخر میں ہی راولپنڈی کے انٹرکانٹیننٹل گیا۔ اگلی صبح ہم نے امریکی سفارتخانے میں مسٹر بائی روڈ سے ملاقات کی۔ برطانوی سفیر موجود تھے اور اسی طرح اس یورپی ملک کے سفیر مسٹر وولف بھی موجود تھے جو کچھ عرصہ پہلے تک پاکستان میں سی آئی کے نمائندے تھے انہیں ہماری سرگرمیوں سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے خاص طور پر واشنگٹن سے بھیجا گیا تھا۔ مسٹر وولف نے ہمیں انتہائی تفصیلی معلومات فراہم کیں۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ کام بہت مشکل ہے لیکن انہیں اعتماد تھا اسے تکمیل تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے حسب ذیل مثبت عناصر کی نشاندہی کی۔

۱۔ پاکستان کے زعماء میں امریکی اور مغربی اثر اور اس کا رچاؤ۔ انہوں نے زعما کی درجہ بندی حسب ذیل شعبوں میں کی :۔

۱۔ الجھے ہوئے خیالات کے دانشور

(ب) بڑے کاروبار والے لوگ۔

(پ) بڑے زمیندار۔

(ت) درمیان کے لوگ جنہیں پاکستان کے آڑھتی کہا جاتا ہے۔

(ٹ) نوکر شاہی کا خاصا بڑا حصہ۔ بالخصوص سابق سی ایس پی۔

(ث) دائیں بازو کی جماعتوں کے زیر اثر طلباء برادری کا حصہ۔

(ج) علماء اور مولانا حضرات۔

(چ) سیاستدان۔

مسٹر وولف نے دو اور عناصر کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ

"وہ ہم جانتے ہیں کہ پاکستان کے جھگڑالو سیاستدانوں کو عارضی طور کیسے متحد کیا جاسکتا ہے"

"تم ہمارے ساتھ ہمیشہ مارچ کرتے ہو چاہا ہو!"

شکست تھا۔

ویت نامی عوام کی کامیابی نے جہاں ایک بار پھر اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ قوموں کی آزادی کو بزورِ طاقت کچلنا اب ممکن نہیں ہے اور آزادی، امن اور سوشلزم کی تحریکیں فیصلہ کن قوت بن چکی ہیں، وہیں امریکہ سمیت تمام سرمایہ دار ملکوں کے بورژوا سماجی علوم کے کھوکھلے پن کا بھانڈا بھی پھوڑ دیا۔

ویت نام کے بعد امریکی سامراج کی نئی حکمتِ عملی کا دور شروع ہوا۔ امریکہ کی تخفیفِ اسلحہ اور کنٹرول اسلحہ کی کمیٹی کے ڈپٹی ڈائریکٹر نورمین نے اس حکمتِ عملی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ بحرِ ہند میں امریکہ کے ہمیشہ سے اہم مفادات رہے ہیں اور بحرِ ہند میں امریکی بحریہ کی موجودگی سے ان مفادات کو تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ بین الاقوامی سیاست سے دلچسپی رکھنے والوں سے یہ مفادات مخفی نہیں رہے ہیں۔ بحرِ ہند کے علاقے قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ یورینیم کے ۶۰ فیصدی ذخائر یہاں موجود ہیں۔ سرمایہ دار ملکوں کی سونے کی ۴۰ فیصدی اور ٹین، ربڑ، پٹ سن اور ہیروں کی تقریباً سو فیصد ضروریات ان علاقوں سے پوری ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ بحرِ ہند مشرقِ وسطیٰ کے تیل کی گذرگاہ ہے، جاپان، مغربی یورپ اور امریکہ کا کاروبارِ حیات اسی "سیال سونے" کی برکت سے چل رہا ہے۔ دنیا بھر میں اب تک تیل کے جتنے ذخائر دریافت ہوتے ہیں ان کا ۵۵ فیصد حصہ سعودی عرب، ایران، کویت، عراق، متحدہ عرب امارات، قطر، اومان اور بحرین میں پایا جاتا ہے۔ مغربی طاقتوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ جوں جوں ان کی تیل کی ضروریات بڑھ رہی ہیں، ان کے تیل کے چشمے خشک ہوتے جا رہے ہیں جب کہ مشرقِ وسطیٰ میں نئے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ مثلاً ۱۹۳۷ء میں دنیا کی مجموعی تیل کی پیداوار میں مشرقِ وسطیٰ کا ۶ فیصد حصہ تھا۔

نو سال بعد یہ ۱۰ فیصد ہو گیا اور ۱۹۶۰ء تک ۳۰ فیصد تک پہنچ گیا۔ اس کے برعکس امریکہ کی تیل کی پیداوار ۶۹ فیصد سے گھٹ کر ۳۰ فیصد ہو گئی۔ مشرقِ وسطیٰ کے تیل کی اہمیت کا اندازہ عراق کے اخبار "الطاورا العراقیا" کے ایک جائزہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کے مطابق ۱۹۸۰ء تک جاپان کو تقریباً ۱۵ ارب ڈالر کا تیل خریدنا ہو گا جب کہ امریکہ کو اٹھارہ سے پچیس ارب ڈالر کا تیل درآمد کرنا پڑے گا۔

چند سال پیشتر تک مغربی دنیا کو پریشانی نہیں تھی کیونکہ ۱۹۵۱ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیان تیل کی قیمتوں میں قابلِ ذکر اضافہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہند چینی میں سامراج کی شکست کے بعد ترقی پذیر اور نو آزاد ملکوں میں ابھار پیدا ہوا اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیلی جنگ میں انہیں تیل کی قوت کا اندازہ ہو گیا۔ اس سے زیادہ اہم بات تیل اور دیگر خام مال کو قومیانے کا رجحان ہے جو روز بروز جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔ بعض ملکوں مثلاً عراق نے تیل کو قومیا کر مہیل کاری بھی کر ڈالی ہے۔ سرمایہ دار دنیا جو پہلے ہی ہند چینی کی جنگ کے باعث بحران کا شکار ہو چکی تھی اب متواتر بحرانوں کا شکار ہے۔

چنانچہ امریکہ کئی مرتبہ دھمکی دے چکا ہے کہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وہ فوجی طاقت استعمال کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ حالانکہ ویت نام، کمبوڈیا، اور لاؤس کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد اسے سبق حاصل کرنا چاہیئے تھا لیکن جارحیت سامراج کی فطرت کا حصّہ ہے۔ اس حکمتِ عملی کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ایک طرف تو بحرِ ہند میں سامراجی اڈّوں کا جال بچھایا جا رہا ہے جن میں ڈیگو گارشیا کا اڈہ سرِ فہرست ہے، دوسری جانب سینٹو وغیرہ کو زیادہ "فعال" یا آسان زبان میں زیادہ خونخوار بنانے کے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسرائیل اور مشرقِ وسطیٰ کی دائیں بازو کی حکومتوں کو بڑے پیمانے پر مسلح کیا جا رہا ہے۔ اس سے سامراجی طاقتیں دوہرا فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ اسلحہ کی فروخت کے ذریعہ ان پیٹرو۔ڈالروں کو ہتھیانا جو تیل کی قیمتوں میں اضافے کے سبب مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو ملے ہیں، دوم، افریشیائی عوام کی جمہوریت پسند اور سامراج دشمن قوتوں کو کچلنے کا سامان بہم پہنچانا تاکہ تیل اور دوسرے خام مال پر سامراج کا غلبہ ختم نہ ہونے پائے۔ اس حکمتِ عملی میں بحرِ ہند کی اہمیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

چنانچہ سامراجی پروپیگنڈا بازوں کے حلقہ گوش جب بحرِ ہند یا افریقہ اور ایشیا میں "کمیونسٹ خطرے" کی دہائی دیں تو حیرانی نہیں ہونی چاہیئے۔ ویت نام، کوریا، الجزائر، عراق، موزمبیق، انگولا اور گنی بساؤ کے عوام کی جدوجہدِ آزادی کو یہ لوگ ہمیشہ اسی نام سے پکارتے رہے ہیں۔ افغانستان میں حالیہ عوامی جمہوری انقلاب کی کامیابی پر ان کا واویلا بھی بالکل فطری ہے۔ اور مغربی دنیا کی جانب سے سینٹو کو زیادہ "فعال" بنانے اور بحرِ ہند میں فوجی مشقوں کا اعلان بھی اچنبھے کی بات نہیں۔ دراصل سامراج سے آزادی کی جدوجہد کو سامراجی ابلاغ عامہ "کمیونسٹ خطرے" سے تعبیر کرتا ہے۔

آج کے مخصوص حالات میں بالخصوص ہوچی منہ کی یاد مناتے ہوئے جمہوریت پسندوں اور ترقی پسندوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے اتحاد کو مستحکم کریں، سامراجی طاقتوں کے خلاف وسیع تر محاذ قائم کریں، سامراجی اڈّوں اور بلاکوں کے خلاف مزاحمت میں مزید شدت پیدا کریں، نہ صرف اس خطّے میں بلکہ بین الاقوامی سطح پر آزادی، امن اور سوشلزم کی تحریکوں سے گہرا رشتہ جوڑیں تاکہ ویت نام کے مانند ہمارا ملک اور ہمارا برّاعظم بھی آزادی انصاف اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

بقیہ: غیبنوں کی ڈائری

رکن ان کمیٹیوں میں جائے گا اسے پی پی سے الگ کر دیا جائے گا ویسے آجکل پی پی والے بڑی قابل رحم حالت میں ہیں۔ یاد رہے کہ کچھ عرصہ پہلے سی ایم ایل اے صاحب نے حیدرآباد میں ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا تھا کہ ہم نے پیپلز پارٹی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک طرف پھینک دیا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہ سانس بھی نہ لے" ۔ مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سانس روکنے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔ اندرون سندھ سے آنے والی اطلاعات کے مطابق پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے زمینداروں کی زمین کا پانی بند کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہدایات تک جاری کر دی گئی ہیں ۔

دوسری طرف آج کل جماعت اسلامی اور مسلم لیگ پگاڑو گروپ کے وارے نیارے ہیں۔ عملی طور پر اس وقت سندھ میں دو جماعتوں کی حکومت ہے ۔ شہری علاقوں میں جماعت اسلامی اور دیہی علاقوں میں مسلم لیگ پگاڑو گروپ کی حکومت ہے جس کو چاہیں بند کروائیں اور جس کو چاہیں چھڑوائیں۔ دیہی علاقوں کے ایس ایچ او آج کل مسلم لیگ پگاڑو گروپ کے وڈیروں کے کمدار بنے ہوئے ہیں انہوں نے ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ایک طرف مخالفوں سے انتقام لیا جا رہا ہے تو دوسری طرف بڑے پیمانے پر ہاریوں کو بے دخل کیا جا رہا ہے کوئی کہنے اور پوچھنے والا نہیں اس صورتحال کو کنٹرول نہ کیا گیا تو سندھ کی صورتحال بہت خراب ہو سکتی ہے ۔

بقیہ: اسلام آباد

دو بچے مار رہے ہیں بنگلہ دیش کے واقعات سے ہم جنرل فرمان کے توسط سے سبق لے رہے ہیں تازہ واقعات یونہی ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز سرکاری ملازم کیا عملی سیاست میں حصہ لے سکتا ہے اس کا جواب اس لئے اثبات میں ہے کیوں نہیں اگر وہ ہی سیاست میں حصہ نہ لے تو پھر ملک کا توحشر خراب ہو جائے یہ اعمال کردار بدتمیز جاہل گنوار اور سیاست دان اور میکاولی ملک میں اندھیر مچا دیں گے ان سب کو روکنے کے لئے بے حد ضروری ہے کہ وہ سب کچھ کیا جائے جو کیا جانا چاہئے مگر بوجوہ کھل کر نہیں کیا جا سکتا کہ ہم سیاست میں کسی شارٹ کٹ کے قائل نہیں

ہیں۔ لانگ روٹ اگر کراس کنٹری کے برابر ہی ہو پھر بھی برا نہیں ہے کہ ہم کئی کراس کنٹری دوڑ ہو چکے ہیں۔

قومی حکومت کا سٹیج سجتے سجتے جس طرح اجڑنے کے قریب پہنچ گیا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کا سٹیج اب زیادہ سج گیا ہے اسی لئے تو اس کے باوجود کہ سرکاری اعلان کیا گیا تھا چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اب کسی سیاسی جماعت سے ملاقات نہیں کریں گے مسلم لیگ کے ایک وفد نے ان سے ملاقات کی اس وفد میں پیر پگارا شریف خان قیوم خان اور چودھری ظہور الٰہی شامل تھے۔ اس ملاقات میں قومی حکومت کی تشکیل کا سوال زیر بحث آیا تو سہی مگر خان عبدالقیوم اس سے اس انداز میں متفق نہیں ہیں کہ قومی حکومت میں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈروں کو بھی شامل کیا جائے ویسے بھی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کو نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنماؤں اور خصوصاً میر غوث بخش بزنجو کے رویہ کی شکایت ہے ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے میری تجویز کو یکسر رد کر کے میرے تعاون کا مذاق اڑایا ہے اس جماعت نے جس قدر فائدے حاصل کئے وہ کسی جماعت کو نصیب بھی نہیں ہوتے اب جب کہ ان کے تعاون کی ضرورت ہے تو یہ عملی تعاون سے گریز کرتے ہیں۔ خان عبدالقیوم خان جو جلتی پر تیل ڈالنے کے ماہر ہیں ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہیں۔ ان کی وجہ سے اس مسلم لیگ کے جس طرح دو دھڑے ہوں گے وہ بھی کوئی دور کی بات نہیں ہے۔ ملک قاسم پارٹی کے سیکرٹری جنرل ہیں ان کو اس سارے کھیل میں جس طرح پس منظر میں بھی نہیں رہنے دیا گیا وہ ایک سوچی سمجھی بات ہے۔ چودھری ظہور الٰہی کوئی عہدہ نہ رکھتے ہوئے بھی صرف اپنے مال کی بنیاد پر مسلم لیگ اور پاکستان قومی اتحاد کے ماما لگنے شروع ہو گئے ہیں۔ اب خان عبدالقیوم خان کی سیاست جب نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے خلاف شروع ہو گی اس سے تناؤ اور کھچاؤ پیدا ہو گا کہ اسی سیاست کا مظاہرہ انہوں نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ کیا تھا مسٹر بھٹو شروع ہی سے خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں کی طرف مائل تھے۔ بات اصولوں اور انا کی آ گئی طرفین مزید جھکنے کو تیار نہ ہوتے تو خان اعظم نے کارنامہ دکھایا اب بھی وہی صورت حال ہے جو مسٹر بھٹو کے دور میں تھی۔ جنرل ضیاء الحق بہت آگے بڑھے۔ بات اب پھر اصولوں اور انا کی آ گئی ہے مسٹر بھٹو نے بھی کالعدم نیپ سے پابندی ہٹائی تھی ان کے رہنما رہا کئے تھے۔ جنرل ضیاء الحق نے پابندی نہیں اٹھائی کہ دوسری جماعت موجود ہے مگر رہا سب کو کر دیا۔ بات چیت میں اصول اور انا ٹکرا رہی ہے خان اعظم کا کھیل شروع ہوا چاہتا ہے۔ جس روز بھی خان عبدالقیوم خان ایوان اقتدار میں داخل ہو گئے حکومت اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے درمیان خلیج وسیع تر ہو جائے گی۔ مفتی محمود کا بیان آ ہی گیا ہے کہ خان عبدالقیوم خان کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کے باوجود پاکستان اتحاد کا رکن نہیں بننے دیا جائے گا۔ مفتی صاحب آپ انہیں رکن بننے دیں نہ بننے دیں خان اعظم کی گیدڑ سنگھی اپنا کام شروع کر چکی ہے۔ اب آپ سب اپنی خیر منائیں۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کئی بار کالعدم نیپ کے رہنماؤں سے بات چیت شروع کی ان کو اقتدار میں برابری کی بنیاد پر شامل کرنا چاہا مگر بات یہاں ختم ہو گئی کہ ان کا اولین مطالبہ تھا کہ خان عبدالقیوم خان کو باہر نکال دو خان اعظم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر یہ کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھی تو ایوان اقتدار میں ہوں اور وہ خود شامل اقتدار نہ ہوں۔ ویسے یہ بات ہے سولہ آنے درست، کہ کالعدم نیپ کے کچھ لوگ خدا کے بعد اگر کسی سے واقعی ڈرتے ہیں تو وہ صرف خان عبدالقیوم خاں ہیں کہ جب اقتدار میں ہوں تو ظلم کی انتہا کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور ظلم کی انتہا برداشت کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ سارے مظالم کے بعد پھر معصوم ثابت ہو جاتے ہیں۔ بدنام زمانہ فیڈرل سیکورٹی فورس کے خالق اس کے زبردست کونسل اور جب یہ فورس ختم ہوئی اس کے سیاہ کارنامے منظر عام پر آئے تو کسی بھی گوشے میں خان اعظم کی شخصیت کا اظہار نہیں ہونے پایا۔ چالاکی صرف خان صاحب کا ہی حصہ ہے۔ مسٹر بھٹو سیاست میں اعلیٰ مقام رکھنے کے باوجود چالاکیوں اور سازشوں کے گرگ باراں دیدہ سے چالاکی کا عشر عشیر بھی نہ سیکھ سکے کہ اگر ایسا ہوتا تو آج یوں رسوا نہ ہو رہے ہوتے۔ خان اعظم کی طرح مزے کرتے اور پس پردہ رکھ کر بھی پتلیاں ایسی نچاتے کہ لوگ واہ واہ کہہ اٹھتے، کریڈٹ بھی کو ہی ملتا اور ماسٹر مائنڈ کو کوئی نہ جان پاتا۔

سندھ
ہاری
رپورٹ

ہاریوں کے

۲۱ جوڑے ڈٹے

ہوئے ہیں
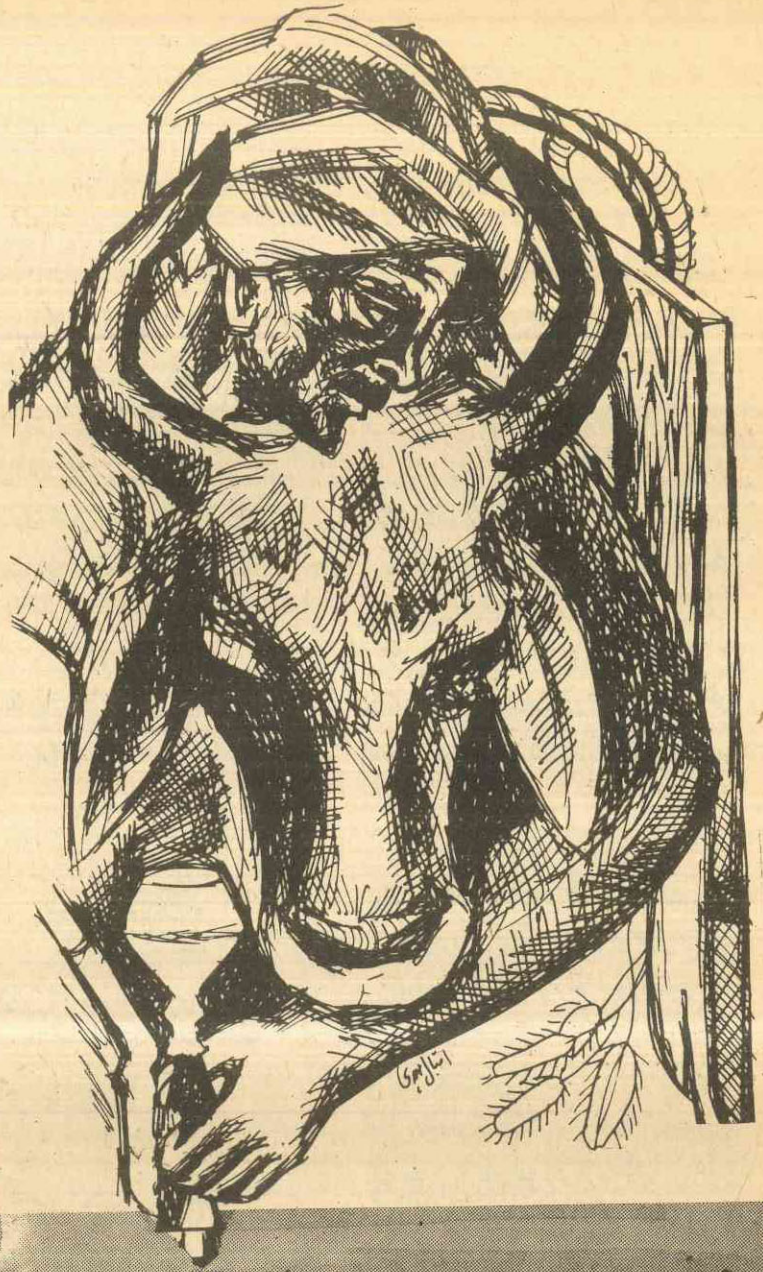
بیدخلیوں اور ڈاکہ زنی کی قیادت گاڈفادر گروپ کر رہا ہے

کسان عورتوں نے غنڈوں کو مار بھگایا

یکم مئی کو کراچی کی مختلف محنت کش دوست مزدور سیاسی اور طلبہ تنظیموں نے ایک مشترکہ اجلاس میں اندرون سندھ اور خصوصًا دیہہ مبارک واہ اور گوٹھ بھلادل کھوسو نیو سعید آباد میں ہاریوں کی جبریہ بے دخلی کے واقعات کی اطلاعات پہنچنے پر واقعات وحالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی منتخب کی۔ اس کمیٹی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ مذکورہ بالا متاثرہ علاقوں میں جاکر بے دخل ہونے والے ہاریوں کو اپنی حمایت کا یقین دلائے اور واقعات و حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد رپورٹ پیش کرے اس مقصد کے لئے ایک وفد روانہ ہوا۔ مختلف تنظیموں کی جانب سے روانہ کئے جانے والے اس وفد میں منتخب شدہ کمیٹی کے اراکین (۱) اکرم دھاریجہ، مزدور کسان پارٹی۔ (۲) شفیع کلہوڑو، کراچی مزدور رابطہ کمیٹی (۳) کلیم درانی نوجوان محاذ پاکستان کے علاوہ زبیر الرحمٰن، نیشنل پروگریسو پارٹی، محمد عارب، سندھی ہاری کمیٹی، احمد

کامران، نوجوان محاذ پاکستان، شاہد علی، پروگریسیو فرنٹ جامعہ کراچی اور عمر عباس شامل تھے۔ ہاریوں کی بے دخلی کے واقعات کے بارے میں اس وفد کی رپورٹ درج ذیل ہے۔

دیہہ مبارک واہ

۱: حیدرآباد سے ۳۵ میل دور دیہہ مبارک واہ تعلقہ ہالہ میں ٹنڈو جام کے زمیندار میر اللہ بخش تالپور کی ۵۷۵ ایکڑ زمین ہے جو سات مختلف کھاتے داروں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس زمیندار خاندان نے یہ زمین ما قبل پاکستان با اختیار افراد سے مل کر دھاندلی کے ذریعے ہتھیائی تھی اور اس کا تنازعہ برقرار ہے۔

۲: اس زمین پر ۴۵ جوڑے ہاری کاشت کرتے ہیں یہ ہاری موروثی ہیں۔ اس زمین پر ہاریوں کے پانچ گوٹھ آباد ہیں (۱) گوٹھ محمد بخش کھوسو (۲) گوٹھ صفر پنہور (۳) گوٹھ پیر محمد چھٹو (۴) گوٹھ کوٹا بالادی (۵) گوٹھ سومار بالادی۔ اس کے علاوہ گوٹھ محمود ساند اس زمین سے باہر واقع ہے لیکن اس کے دو جوڑے اس زمین پر کاشت کرتے ہیں۔

(۳) متذکرہ زمین زمیندار اللہ بخش تالپور نے مقاطع پر دی ہوئی ہے۔ موجودہ تنازعے سے قبل یہ زمین دو مہاجر مقاطع داروں سیٹھ عثمان اور الیاس ملاّ کو دی ہوئی تھی۔ ان سابقہ مقاطع داروں کا زمیندار سے معاہدہ ہوا تھا کہ وہ زمیندار کی مرضی کے صرف چار جوڑوں کو چھوڑ کر باقی تمام ہاریوں کو بے دخل کر دیں گے لیکن ہاریوں کی جانب سے مزاحمت کی بنا پر مقاطع دار اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور تنازعہ کا تصفیہ ایک شخص سید مقیم شاہ نے کرایا۔

(۴) سابقہ مقاطع داروں کی مدّت ختم ہونے کے بعد زمیندار نے اس زمین کو نئے لوگوں کو پانچ سال کے مقاطع پر دیا۔ یہ نئے مقاطع دار علاقے کے بدنام اور مبیّنہ طور پر پاتھاریدار اور ہسٹری شیٹر ہیں۔ ان میں عمر موچی، محمد تھیم، محمد علی خشک کے علاوہ لاجو خشک، حاجی جنیسر خشک اور ڈنل خشک شامل ہیں۔ ان بدنام لوگوں کو اس شرط پر مقاطع دیا گیا تھا کہ وہ تمام موروثی ہاریوں کو زمین سے بے دخل کریں گے اور ان سے گوٹھ کو بھی خالی کرائیں گے۔ اس کام کے عوض انہیں یہ مراعات دی گئیں کہ (ا) پہلے دو سال مقاطع مفت دیا گیا ہے۔ (ب) اگلے تین سال مقاطع صرف ۱۰۰/- روپے فی ایکڑ ہوگا جب کہ اس علاقے میں عام شرح دو سو سے تین سو روپے فی ایکڑ ہے (ج) ۱۰۰ ایکڑ زمین ان کے نام کر دی جائے گی۔

(۵) ان مقاطع داروں کی سرپرستی مبیّنہ طور پر پاتھاریدار رحیم ڈنو میرے پوٹو کر رہا ہے۔ زمیندار اللہ بخش تالپور اور ان مقاطع داروں اور پاتھاریداروں کی اصل پشت پناہی مسلم لیگ کے صوبائی آرگنائزر ذوالفقار علی شاہ جاموٹ کر رہے ہیں۔ یہ ٹولہ گاڈفادر گروپ کے نام سے مشہور ہے جس کا کام پاتھاریداروں کے ذریعے بے دخلیاں کرانا اور ڈاکے ڈلوانا ہے۔

نئے مقاطع کا آغاز مارچ ۷۸ء سے ہونا تھا لیکن ان لوگوں نے دسمبر ۷۷ء میں ہاریوں کی بے دخلی شروع کی۔ ۱۷ دسمبر ۷۷ء کو ۱۶ ٹریکٹروں کے ساتھ غنڈے آئے اور دھمکیاں دیں۔ دوسرے روز تقریباً ۲۵۰ غنڈے ٹریکٹروں کے ساتھ اور پولیس کی ہمراہی میں آئے اور انہوں نے گوٹھ محمد بخش کھوسو کو مکمّل طور پر گھیرے میں لے لیا۔ یہ پولیس سیکھاٹ اور اوڈیرو لال کے تھانوں سے آئی تھی۔ باقی گوٹھ سومار بالادی، کوٹا بالادی، صفر پنہور اور پیر محمد چھٹو کی ناکہ بندی کر دی تاکہ کوئی مدد نہ آ سکے۔ ۱۶ دسمبر ۷۷ء تک گوٹھ کا مکمّل محاصرہ رہا۔ اور فائرنگ کی جاتی رہی۔ گوٹھ میں پانی کی رسد ختم ہو گئی۔ حتیٰ کہ بچوں کے پینے کے لئے بھی پانی نہ بچا۔ مال مویشی وغیرہ کے لئے گھاس اور چارہ بھی موجود نہ تھا۔ غنڈوں نے ۱۲ ایکڑ زمین پر لگی ہوئی چارے کی کھڑی فصل پر ٹریکٹر چلا کر تباہ کر دیا۔ ۱۶ تاریخ کو بدقت تمام محاصرہ ٹوٹا۔ اے ایس پی حیدرآباد پولیس کی جمعیت لے کر آیا۔ اس نے کوئی کارروائی نہیں کی اور واپس چلا گیا۔

(۷) بعدازاں ایس ڈی ایم ہالہ نے مداخلت کر کے ۲۲ دسمبر کو ہالہ میں فیصلہ کیا کہ متنازعہ زمین کا ۸۱ فیصد حصّہ ہاریوں کے پاس ہوگا اور باقی ۱۹ فیصد حصّہ مقاطع داروں کو مل جائے گا۔ ہاریوں نے اور مقاطع داروں دونوں نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ لیکن ۲۸ دسمبر کو معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بغیر کسی اشتعال کے وڈیروں کی جانب سے ایک بار پھر گوٹھ محمد بخش کھوسو کو گھیرے میں لے کر فائرنگ شروع کر دی گئی۔ گوٹھ کے اطراف کی حفاظتی باڑھ کو آگ لگا دی گئی۔ زمیندار کے ساتھ آ کر غنڈوں نے گوٹھ کے ۶ کولیوں کو باندھ کر ان پر سخت تشدّد کیا۔ پولیس تھانوں میں رپورٹ درج کرانے کی کوششیں کی گئیں، لیکن کوئی رپورٹ درج نہیں ہوئی۔ گوٹھ صفر پنہور کے تین ہاریوں پر تشدد کر کے انہیں بھی شدید زخمی کیا گیا۔

(۸) جب سے اب تک گوٹھ پر چار سے زائد مرتبہ باقاعدہ فائرنگ اور مسلّح حملہ ہو چکا ہے۔ ۱۰ کولی خاندانوں کو مارپیٹ کر گوٹھ سے بھی نکال دیا گیا ہے اور ان کے مکانوں پر ٹریکٹر چلا کر انہیں زمین بوس کر دیا گیا۔ سابقہ مقاطعے داروں کے زمانے کی بوئی ہوئی فصلوں کو اور واٹر کورس کو توڑ کر تباہ کر دیا گیا ہے۔ فصلوں کو تباہ کرنے کے ان اقدامات کے نتیجے میں ۱۸۰ ایکڑ زمین پر بوئی گئی گندم میں سے ۵۵ ایکڑ کی فصل بالکل تباہ ہو گئی۔ باقی زمین میں سے فصل خراب ہو جانے کی وجہ سے صرف چار سے پانچ من گندم فی ایکڑ حاصل ہوتی جب کہ عام شرح ۲۵ من فی ایکڑ ہے۔ ۴۰ ایکڑ زمین پر بوئی گئی گنّے کی فصل میں سے ۴ ایکڑ بالکل تباہ ہو گئی ہے۔ گنّے کی کچھ فصل میں وڈیروں نے آگ لگا دی۔ باقی زمین میں سے صرف ۲۰۰ من گنّا فی ایکڑ حاصل ہو سکا ہے جب کہ عام شرح ایک ہزار من فی ایکڑ ہے۔ اس طرح ہاریوں کی فصلوں کے کل نقصان کا تخمینہ تقریباً ۳ لاکھ ۸۰ ہزار روپے ہے۔ اس زبردست نقصان کے نتیجے میں ہاری معاشی طور پر بدحال ہو چکے ہیں اور ان کے پاس کھانے کے لئے غذائی اجناس بھی نہیں بچی ہیں۔

(۹) ۲۱ اپریل ۷۸ء کو اپنی فصل کا گنّا کاٹتے

پولیس

ہاریوں کے

خلاف

کیوں ہے؟

ہوئے تین ہاریوں رحیم بخش کھوسو، توفق علی کھوسو اور عرس پتہور کو غنڈے گرفتار کر کے لے گئے اور ان پر مختلف چوریوں کے جھوٹے مقدمے قائم کرا کے نارا جیل میں قید کرا دیا گیا ہے۔

(۱۰) ہاری خاندانوں کی کیفیت یہ ہے کہ پاتھاریداروں اور زمینداروں نے خوف، دھمکی، دہشت گردی اور لالچ کے ذریعے ۶ ہاری جوڑوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے جن میں ۲ جوڑے پنجابی، دو جوڑے سانڈ اور دو جوڑے بالادی ہیں۔ ۸ جوڑے دہشت زدہ اور مایوس ہو کر غیر جانبدار اور خاموش ہو گئے ہیں۔ ۱۰ کولی گھرانوں کو تشدد کا نشانہ بنا کر بے دخل کر دیا گیا ہے اور گوٹھ سے نکال دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس ۱۲ جوڑے آج تک عورتوں و بچوں کے اغوا اور ڈاکوں کی دھمکیوں فائرنگ اور ناکہ بندی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ مزاحمت کرنے والے ان جوڑوں میں ۷ کھوسے، ۱۰ پتہور، ۳ لغاری اور ایک رند ہیں۔

اس وقت صورتحال یہ ہے

(۱) زمیندار اور مقاطعہ داروں نے ہاریوں کی زمین پر غیر قانونی طور پر ٹریکٹر چلانا اور فصل کی بوائی شروع کر دی ہے۔ ہاریوں کی زمینوں پر رات گئے تک ٹریکٹر چلتے رہتے ہیں۔ علاقے میں ہر دم کشیدگی کی فضا ہے۔ ہاریوں کو اپنے گوٹھ کی حفاظت کے لئے رات بھر جاگ کر پہرہ دینا پڑتا ہے اور کسی بھی لمحے غنڈوں کی جانب سے فائرنگ اور حملے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ ہاریوں کی جانب تقریباً ۳۰ یا ۳۵ مرد ہیں جن کے ذمے اپنے گوٹھ، جانوروں اور عورتوں و بچوں کی حفاظت کا کام ہے۔ مردوں کے گوٹھ سے باہر جانے میں ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ غنڈے گوٹھ پر حملہ کر کے عورتوں، بچوں اور مال مویشی اٹھا کر لے جائیں گے اور گوٹھ پر قبضہ کر لیں گے۔ مردوں کے گوٹھ سے باہر جانے پر عورتیں گوٹھ کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور کئی مرتبہ ایسی صورت میں جب گوٹھ میں صرف عورتیں، بچے اور بوڑھے افراد تھے تو غنڈوں کے مسلح حملے کا موثر دفاع عورتوں نے کیا ہے۔ اور غنڈوں کو واپس بھاگنے پر مجبور کیا ہے۔ اس وقت کپاس کی فصل کی بوائی کا وقت ہے لیکن موجودہ صورت حال میں ہاری اپنی زمینوں پر ربیع کی فصل کی بوائی بھی نہیں کر سکتے ہیں جب کہ وڈیرے ٹریکٹر چلاتے پھر رہے ہیں۔

(۲) ہاریوں نے بھاگ دوڑ کر کے ڈپٹی کمشنر اور مختارکار وغیرہ کے پاس درخواستیں دی ہیں اور اپیلیں کی ہیں، سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں سے بھی اپیلیں کی ہیں لیکن پگارا مسلم لیگ کے ذوالفقار علی شاہ جاموٹ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔ اخبارات و رسائل میں دیہہ جبالک واہ کے ہاریوں کے بارے میں بیانات اور رپورٹیں وغیرہ بھی شائع ہوتی ہیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ یکم مئی کے اخبارات میں تعلقہ ہالہ کے مختارکار نے ایک اخباری

وہ دردناک تصویریں بن گئے ہیں

موسیٰ سعید - صدر مزدور کسان کونسل - بہاولپور

تمام تر یقین دہانیوں کے باوجود مزارعین کی بیدخلیوں کا سلسلہ پہلے سے اضافے کے ساتھ جاری ہے یہ بیدخلیاں زراعت میں بڑھتے ہوئے مشینی استعمال، آبادی میں اضافے مالکانِ اراضی میں ملکیت کو مستحکم رکھنے کے جذبے اور مزارعین میں ملکیت حاصل کرنے کی خواہش کے نتیجے ہیں بے دخلیاں دو طرح کی ہیں (۱) عدالتی بے دخلی جس میں مالک اراضی قانون کے مطابق اسسٹنٹ کلکٹر کے پاس بے دخلی کا دعویٰ دائر کرتا ہے اور عدالت سماعت کے بعد مزارع کو مزارعت کے نااہل قرار دیتے ہوئے اسے بے دخل کر سکتی ہے قانونی بے دخلیوں کے اعداد و شمار اکٹھا کرنے پر یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ مالکان کی بے دخلی کے دعوے غالب ترین اکثریت سے کامیاب ہوتے ہیں۔

بے دخلی کا دوسرا طریقہ غیر قانونی ہے جس میں مالکانِ اراضی ناجائز ہتھکنڈے اختیار کرتے ہوئے مزارعین کو بے دخل کرنے میں باآسانی کامیاب ہو جاتے ہیں ان ہتھکنڈوں کے ذریعے مالکان اراضی اپنے مزارعین کے خلاف چوری، ڈاکہ زنی، لڑائی جھگڑے، اقدام قتل، زنا بالجبر کے جھوٹے مقدمات بنوا دیئے جاتے ہیں گاؤں میں کسی ایک مزارع کے خلاف اس طرز کی کاروائی پورے گاؤں بلکہ دور دراز کے گاؤں میں رہنے والے مزارعین کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہوتی ہے مزارعین کمزور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں سماجی اور اقتصادی اعتبار سے مالک اراضی سے مقابلے کی سکت نہیں رکھتے ہیں یہ تعلیمی اور تنظیمی اعتبار سے صنعتی مزدور سے بھی پسماندہ ہیں یہی وجہ ہے کہ مزارعین کی اکثریت بااثر مالکان اراضی سے الجھے بغیر جس حال میں ہوتی ہے اراضی سے بے دخل ہو جاتی ہے بے دخل ہونے والے مزارعین نامناسب روزگار کے حالات کی وجہ دردناک تصویر بنے پھرتے ہیں یہ کاشتکاری کے علاوہ کسی دوسرے ہنرمند کام سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں ملک میں صنعتی ترقی محدود ہے اگر اسے ترقی معکوس قرار دیا جائے تو نامناسب نہیں ہو گا۔ اس لیے روزگار کے نئے وسائل مہیا نہیں ہوئے ہیں مزارعین کی بے دخلی سے ہمارے دیہات بھی بے روزگاری کی زد میں ہیں جس کی وجہ سے ہمارے دیہاتوں میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔

حکومت کو چاہیئے کہ بے دخل مزارعین کی بحالی کے لئے فوری اقدامات کرے بورڈ آف ریونیو پنجاب ایسے اضلاع جن میں سرکاری اراضی کاشت کے لئے تقسیم کی جا رہی ہو ان اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کو ہدایات جاری کرے کہ یہ اراضی ان اضلاع کے بے دخل مزارعین میں ترجیحی اور ہنگامی بنیادوں پر تقسیم کریں اس سے مندرجہ ذیل فوری فوائد برآمد ہوں گے۔

۱۔ بے دخل مزارعین کی آباد کاری ہو گی اور انہیں روزگار میسر آئے گا۔

۲۔ بنجر سرکاری اراضی آباد ہو گی۔

۳۔ ملکی زرعی پیداوار میں اضافہ ہو گا۔

اس سلسلے میں ڈپٹی کمشنروں کو چاہیئے کہ وہ بے دخل مزارعین میں سرکاری اراضی کی تقسیم کے کام کو خود کار اور آسان طریقے سے انجام دیں انہیں پیچیدہ اور طویل دفتری طریق کار سے گریز کرنا چاہیئے۔ تقسیم کا طریقہ جس قدر پیچیدہ اور طویل ہو گا بدعنوانی کے امکانات اسی قدر وسیع ہوں گے۔ ایسے مزارعین جن کی عدالتوں کے ذریعے بے دخلی ہو چکی ہے ان کی طرف سے عدالتی فیصلے کی نقل کو کافی سمجھا جائے۔ البتہ غیر عدالتی بے دخل مزارعین کے کوائف کی درستگی معلوم کرنے کے لئے مناسب تحقیق کی ضرورت ہو گی۔

بیان جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دیہہ مبارک واہ میں ہاریوں کی بے دخلی کے بارے میں شائع ہونے والی تمام خبریں اور بیانات جھوٹے ہیں اور وہاں کوئی بے دخلی نہیں ہوئی ہے اور یہ کہ مقاطع داروں کا ہاریوں کے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے۔ لیکن دیہہ مبارک واہ جانے والے وفد نے اپنی آنکھوں سے اس کے برعکس صورتِ حال دیکھی ہے مقاطع داروں نے علاقے میں مسلح گھوم کر خوف اور دہشت کی فضا پیدا کر رکھی ہے اور وہ سینہ زوری کے ساتھ ہاریوں کی زمینوں پر رات گئے تک ٹریکٹر چلاتے پھر رہے ہیں جب کہ ہاری رات رات بھر اپنے گوٹھ کی حفاظت کے لئے پہرہ دینے پر مجبور ہیں۔ کراچی سے جانے والے وفد کے پہنچنے پر بھی وڈیروں کی جانب سے سرگرمی شروع ہو گئی تھی اور جیپوں میں غنڈوں کی کمک پہنچ گئی تھی اس وقت وہاں پر تمام مذکورہ بالا بدنام افراد موجود تھے۔

(۳) مزاحمت کرنے والے ہاری خاندان آخر دم تک لڑنے اور مزاحمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے انہیں سیاسی، قانونی، اخلاقی، مالی اور ہر قسم کی مدد کی ضرورت ہے۔

گوٹھ بھلاول خان کھوسو دیہہ نیو سعید آباد

(۱) یہ گوٹھ تقریباً ۱۰۰ سال سے آباد ہے اس میں ۲۵۰ ہاری خاندان رہتے ہیں۔ یہ گوٹھ کسی وڈیرے کی زمین پر نہیں بلکہ سرکاری زمین پر قائم ہے اور یہاں پر گذشتہ ۲۰ سال سے ایک پرائمری اسکول بھی قائم ہے۔

(۲) اس گوٹھ کے ہاریوں کے زیرِ کاشت زمین کا رقبہ ۳ سے ۴ ہزار ایکڑ ہے۔ اس زمین پر کاشت کرنے والے ۲۵۰ ہاری گھرانوں میں سے ۱۰ سے ۱۵ ہاری مالک کسان ہیں جب کہ باقی تمام بے زمین ہاری ہیں

(۳) اس گوٹھ کی زمین مختلف زمینداروں میں بٹی ہوتی ہے۔ ان میں سے بڑے اور بارسوخ زمیندار غوث محمد شاہ اور بچل شاہ وغیرہ ہیں۔ ان زمینداروں کی سرپرستی پیر پگارا، ذوالفقار علی شاہ جاموٹ اور پیر راشدی خاندان کرتا ہے۔

(۴) اکتوبر ۷۷ء کے متوقع انتخابات کے دوران میں غوث محمد شاہ نے اس گوٹھ کے ہاریوں نگر کھوسو، اللہ ورایو، مینگو اور گل بیگ کو بلا کر اپنے امیدوار کو ووٹ ڈالنے کو کہا۔ ہاریوں کے منع کرنے پر اور گذشتہ دور میں زمینداروں سے مخالف سیاسی موقف اختیار کرنے کے جرم میں نومبر ۷۷ء میں زمینداروں نے ہاریوں کی بے دخلی شروع کر دی۔ مسلم لیگ کے زمینداروں نے موجودہ حکومت میں اپنے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر گذشتہ دور میں اپنے سیاسی مخالف اور پیپلز پارٹی کی حمایت کے جرم میں ہاریوں سے انتقام لینے کے لئے یہ اقدام کیا۔ زمینداروں نے ہاریوں کو یہ دھمکی دی ہوئی ہے کہ وہ نہ صرف زمین سے بے دخل ہو جائیں بلکہ گوٹھ کو بھی خالی کر دیں۔

اب تک ۵ کھوسے اور ۴ کولی گھرانوں کو بے دخل کیا جا چکا ہے۔ زمیندار اپنے غنڈوں کے ساتھ آکر گذشتہ سال کی کپاس کی فصل اٹھا کر لے گئے۔ بے دخل کرنے کے لئے تقریباً ۳۰ غنڈے مسلح ہو کر ٹریکٹر ساتھ لے کر آ گئے۔ ان غنڈوں کے ہمراہ نیو سعید آباد تھانے کی پولیس کے جوان بھی ایس ایچ او کی قیادت میں آتے تھے۔ پولیس کی موجودگی میں گوٹھ بھلاول کھوسو کی ناکہ بندی کی گئی اور تمام راستے کاٹ دیئے گئے۔ تین ہاریوں پنہل، دولت اور جمعہ کھوسہ کے مکانات کو آگ لگا دی گئی اور تقریباً ۳۰ ہزار روپے کا نقصان کیا گیا۔

(۶) نگر کھوسو کو غنڈے اغوا کر کے لے گئے اس کے مکان پر آتے ہوتے ایک مہمان محرم علی خاصخیلی کو بھی احتجاج کرنے پر اغوا کر لیا۔ انہیں ۸ روز تک حبسِ بیجا میں رکھا اور ان پر تشدد کیا

(۷) وزیر علی کھوسو اور جمعہ کھوسو کو بھی بے دخل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مزاحمت کر رہے ہیں۔ ان ہاریوں کے علاوہ تین ہاریوں کی چار چار ایکڑ زمین بھی چھین لی گئی ہے۔ ہاریوں نے رپورٹیں درج کرانے کی کوششیں کیں لیکن کچھ نہ ہوا۔ مختار کار نے ہاریوں کو ان کا ہاری سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کیا ہوا ہے اور انہیں ان کا سروے نمبر بھی بتانے پر تیار نہیں ہے

(۸) جن چھوٹے مالک کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کیا گیا ہے ان میں شمشاد علی خان کی دیہہ فتح پور میں ۴۱ ایکڑ زمین ہے۔ اس کے علاوہ ۱۵ ایکڑ زمین الگ ہے۔ محمد ماچھی کی ۸ ایکڑ زمین ہے۔ صالح جھکرا کی ۱۴ ایکڑ زمین اور پہلوان ولد اللہ ورایا کی ۷ ایکڑ زمین ہے۔

(۹) گوٹھ بھلاول کھوسو کے ہاری بھی اپنی زمینوں سے اور گوٹھ سے بے دخلی کے خلاف آخر دم تک مزاحمت کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن قربانی دینے پر تیار رہیں۔

کراچی کی مختلف تنظیموں کی جانب سے روانہ کئے گئے وفد نے مذکورہ بالا دو علاقوں میں خود جا کر حالات کا جائزہ لیا۔ اسی اثنا میں دیہہ بارہ وری تعلقہ گلاڑچی ضلع بدین کے ہاریوں کے وفد نے اس علاقے میں ہاریوں کی بے دخلی کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات فراہم کیں جو کہ رپورٹ میں شامل کی جا رہی ہیں۔

دیہہ بارہ وری، گلاڑچی

(۱) دیہہ بارہ وری تعلقہ گلاڑچی کے شکاری ہاریوں کو پولیس حوالات میں بند کر کے تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ پولیس کی مدد سے ان کے بال بچوں کو بزورِ قوت گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے اور ان کے گھروں پر ٹریکٹر چلا کر انہیں مسمار کر دیا گیا ہے

(۲) اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ ۱۹۵۸ء میں ایوبی زرعی اصلاحات میں ٹریکٹر اسکیم کے تحت اس علاقے میں غیر آباد زمینیں مذکورہ ہاریوں کی زیرِ کاشت زمینوں سمیت ۱۵۰۰ ایکڑ زمین ملتان کے نواز پاشا کو دی گئی تھی۔ نواز پاشا نے ۱۹۷۱ء میں یہ زمین مردان کے علی خان پٹھان کو فروخت کر دی، اس زمیندار نے یہ زمین ایک بار پھر ۱۹۷۳ء میں ملک حیات کو فروخت کر دی۔

(۳) زمین کی اس فروخت پر ہاری خمیسو شکاری اور بچایو شکاری کے علاوہ دو دیگر کسانوں نے ریونیو افسر کے پاس درخواست داخل کر کے اس فروخت کو اس وقت کے مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۱۱۵ کے تحت چیلنج کیا تھا۔ اسی دوران ملک حیات نے بدمعاشوں اور پاتھاریداروں کے ذریعے ہاریوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کی۔

(۴) ہاریوں نے مختار کار کے پاس بے دخلی کے خلاف مقدمہ درج کیا۔ مختار کار نے ۱۴ سے ۱۵ برس سے مسلسل کاشت کرنے والے ان ہاریوں کا حقِ مزارعت تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ انہیں

بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اسی فیصلے کی رُو سے کمشنر حیدرآباد ٹریجڈ اسکیم کے قانون کی خلاف ورزی کرنے پر اس زمین کا الاٹمنٹ منسوخ کر دیا اور فیصلہ کیا کہ اس زمین کو مقامی کسانوں میں تقسیم کر دیا جائے

(۵) دوسری جانب مختار کار کے فیصلے کے خلاف زمیندار نے اسسٹنٹ کمشنر بدین کے پاس مقدمہ درج کیا۔ اے سی بدنام افسر ہے۔ اس نے مختار کار کے مذکورہ بالا فیصلے کو رد کر دیا اور پولیس کی مدد سے ہاریوں کو زبردستی بیدخل کرنے کا حکم دے دیا۔ ۲۵-۲۰ ہاریوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور دوسروں کے وارنٹ جاری کر دیئے گئے۔

اس صورت حال میں گرد و نواح کے کسانوں نے اپنے طبقاتی اتحاد کا ثبوت دیتے ہوئے بیدخلی کے خلاف سخت مزاحمت کی۔ اس مزاحمت میں عورتوں نے بھی حصہ لیا۔ اس کے نتیجے میں پولیس اور انتظامیہ بھی ہاریوں کو بیدخل نہ کر سکی۔

(۷) کسانوں نے ڈی سی بدین کے پاس اسسٹنٹ کمشنر کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی۔ ڈی سی نے ہاریوں کے حق کو تسلیم کیا۔ زمیندار نے اس کے مقابلے میں کمشنر کے فیصلے کے خلاف بورڈ آف ریونیو میں مقدمہ داخل کیا۔ بورڈ کے ایک رکن نے متنازعہ علاقے میں جا کر سماعت کی۔ اس نے اپنی سفارشات کے ساتھ کیس واپس کمشنر کو بھیج دیا جہاں یہ مقدمہ ابھی تک زیر سماعت ہے۔

(۸) اس دوران خمیسو شکاری کو جھوٹے مقدموں میں ملوث کر کے بار بار جیل بھیجا گیا۔ موجودہ مارشل لاء لگنے کے بعد خمیسو شکاری کو تین ماہ کے لئے سکھر جیل میں نظر بند کر دیا گیا اور باقی ہاریوں پر یک طرفہ طور پر ۱۸ ہزار روپے جرمانہ عائد کر دیا گیا۔ غریب ہاری یہ بھاری جرمانہ ادا نہ کر پائے اور اس جرم میں انہیں اور جیل سے رہا ہونے کے بعد خمیسو شکاری کو بھی پولیس حوالات میں رکھ کر ان پر سخت تشدد کیا جا رہا ہے اس طرح ہاریوں کی جبری بے دخلی کر دی گئی ہے۔

ہاریوں کی حمایت کرنے کے جرم میں ہاری رہنما محمد فاضل راہو کو بدین کی سرسری فوجی عدالت نے ایک سال قید بامشقت، ۱۵ کوڑوں اور پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنا دی ہے۔ ■

بیدردی کے جواب میں "رہنماؤں" کی خاموشی

کنور طارق منیر - این - ایس - ایف - ساہیوال

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان ضلع ساہیوال کے صدر سید احتشام اکبر نے اپنے ایک بیان میں حکومت پر زور دیا ہے کہ سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی ہٹالی جائے اور ظلم و تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکا جائے انہوں نے کہا کہ ظلم و تشدد کے تمام ادارے دن رات عوام کی جمہوری حقوق اور معاشی آزادی کی جدوجہد کو بڑی بے دردی کے ساتھ کچل رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ہر قسم کی جمہوری آزادیاں چھین لی گئی ہیں لیکن عوام کے مسائل کے حل کی بات کرنے والی سیاسی جماعتیں بالکل خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں اور حکومت کے ہر قدم پر لبیک کہہ رہی ہیں اور ان سیاسی جماعتوں کو عوام سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اور وہ ہر جائز ناجائز طریقے سے اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہیں انہوں نے کہا کہ ہر دور میں یہ رجعت پسند سیاسی جماعتیں عوام کی جمہوری حقوق کی مجاہدانہ جدوجہد کو کفر کے فتوؤں کی نظر کرتی رہی ہیں انہوں نے کہا کہ استحصالی طبقے اور ان کی تمام نمائندہ سیاسی پارٹیاں موجودہ لوٹ کھسوٹ کے نظام کو برقرار رکھنے پر تلی ہوئی ہیں ان جماعتوں کا مسئلہ زیادہ سے زیادہ شخصیتوں کو تبدیل کرنا ہے جبکہ عوام کا مسئلہ موجودہ طبقاتی سماج کو تبدیل کر کے ایک غیر طبقاتی نظام کے قیام کو عمل میں لانا ہے

احتشام اکبر نے کہا کہ عوام کے مسائل و حقوق کی بات کرنے والے صحافیوں کی پکڑ دھکڑ اور صوبہ بدری کے احکامات صادر کیے جا رہے ہیں اور صحافیوں کے ہاتھوں سے قلم چھین کر انہیں جیلوں کی کال کوٹھڑیوں میں بند کیا جا رہا ہے تاکہ عوام ملکی صورتحال سے بے خبر رہیں اور حکومت اپنی من مانی کارروائیاں جاری رکھ سکے۔ انہوں نے کہا کہ این ایس ایف اور پی ایف یو جے کی موجودہ جدوجہد جائز اور منصفانہ ہے اور ہم صحافیوں اور اخباری صنعت کے کارکنوں کی اصولی جدوجہد کی مکمل حمایت کرتے ہیں انہوں نے یکم مئی کو کراچی کے مزدوروں کے ساتھ حکومت کے ناروا سلوک کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یکم مئی کا دن دنیا بھر کے مظلوم طبقوں کو سرمایہ دارانہ سماج کے خلاف جدوجہد کا راستہ دکھلاتا ہے اور پاکستان کے محنت کش عوام بھی شکاگو کے مزدوروں کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کا عزم کر چکے ہیں کراچی کے مزدوروں کو یکم مئی کے موقعہ پر شکاگو کے شہید مزدوروں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے جرم میں قید اور کوڑوں کی سزا دینا انتہائی قابل مذمت ہے۔ انہوں نے کہا کہ تشدد کے ذریعے شکاگو کے شہید مزدوروں کا پیغام نہیں روکا جا سکتا انہوں نے پرزور مطالبہ کیا کہ کراچی کے مزدوروں کو دی گئی قید اور کوڑوں کی سزائیں منسوخ کی جائیں۔ سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھالی جائے مہنگائی کا خاتمہ کیا جائے اور مہنگائی کی مناسبت سے اجرتوں میں اضافہ کیا جائے، بنیادی جمہوری حقوق بحال کیے جائیں۔ تعلیمی اداروں کا تحفظ اور تعلیم کے بعد روزگار کی ضمانت دی جائے۔ ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی پاکستان کے مرکزی چیئرمین محمود نواز بابر، جنرل سیکرٹری عزیز الحسن این ایس ایف پاکستان کے مرکزی صدر حبیب اللہ شاکر اور تمام گرفتار شدہ صحافیوں، مزدوروں، سیاسی قیدیوں اور طالب علموں کو فی الفور رہا کیا جائے۔ صحافیوں کے مطالبات تسلیم کیے جائیں، صحافیوں کے پنجاب بدری کے احکامات منسوخ کیے جائیں۔ روزنامہ مساوات لاہور اور ہفت روزہ الفتح کی اشاعت بحال کی جائے۔

سندھ سے مجاہدینِ صحافت کے جتھے لاہور پہنچ رہے ہیں

مساوات لاہور کی دوبارہ اشاعت اور الفتح، معیار، تعمیر، دھنک اور دیگر اخبارات و جرائد پر پابندی اور نقد ضمانتوں کے نوٹسوں کی منسوخی، پریس کارکنوں کی رہائی اور اخباری کارکنوں کے معاشی مفادات پر مشتمل آٹھ نکاتی مطالبات پر صحافیوں کی جدوجہد جاری ہے۔ ۳۰ اپریل سے شروع ہونے والی بھوک ہڑتال کے سلسلہ میں اب تک گرفتاروں کی تعداد ـــ ہو چکی ہے۔ لڑائی کا مرکز گو کہ لاہور ہے لیکن اندرونِ سندھ بھی صحافیوں کی جدوجہد کے سلسلہ میں خاصا جوش و خروش ہے۔ ۳۰ اپریل کو بھوک ہڑتال کا اعلان ہوتے ہی روزنامہ آفتاب حیدرآباد کے سب ایڈیٹر زاہد سمون، عبرت کے عبدالغنی درس اور ہلالِ پاکستان کے ٹنڈو محمد خاں میں نمائندے زمان شاہ بھوک ہڑتال میں حصہ لینے کے لئے لاہور پہنچے۔ بھوک ہڑتالیوں کے پہلے گروہ میں زاہد سمون اور عبدالغنی درس نے شمولیت اختیار کی۔ گرفتار ہو کر لاک اپ کے مزے لوٹے۔ پنجاب کی انتظامیہ کو سندھی صحافیوں کو پنجاب میں رکھنا گوارہ نہ ہوا۔ پی ایف یو جے کے صدر منہاج برنا کو تو پہلے ہی پنجاب بدر کر دیا تھا۔ زاہد سمون اور عبدالغنی درس کو بھی پنجاب بدر کر دیا گیا۔ پنجاب سے باہر نکالنے میں اتنی جلدی کی گئی کہ انہیں سامان بھی نہیں اٹھانے دیا گیا۔ زاہد سمون اور عبدالغنی درس حیدرآباد پہنچ چکے ہیں جب کہ ان کا سامان لاہور ہی میں پھنسا ہوا ہے۔

ادھر اندرونِ سندھ حیدرآباد کے علاوہ بدین، شکارپور، خیرپور اور چھوٹے چھوٹے قصبات کے صحافی بھی بھوک ہڑتال میں حصہ لینے کے لئے جتھے بنا رہے ہیں۔ حیدرآباد میں یکم مئی کے موقع پر صحافیوں اور پریس کارکنوں کا ایک مشترکہ اجلاس سندھ نیوز کے پریس ورکر محمد عرس کی صدارت میں پریس کلب میں منعقد ہوا۔ مساوات کے علی حسن نے صحافیوں کی موجودہ جدوجہد پر تفصیلی روشنی ڈالی اور جدوجہد کی پشت پناہی کے لئے ایکشن کمیٹی کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ حیدرآباد یونین آف جرنلسٹ کے صدر اور پاکستان ٹائمز لاہور کے نمائندے سلیم قریشی نے صحافیوں کی جدوجہد کی حمایت کرتے ہوئے بتایا کہ یونین پی ایف یو جے کے فیصلوں پر کاربند ہونے کے لئے تیار ہے۔

پریس کلب کے صدر نثار چنڑ نے مساوات پر پابندی اور صحافیوں کی گرفتاری کی مذمت کرتے ہوئے صحافیوں کی جدوجہد کی حمایت کی۔ انہوں نے ایسے افراد کی بھی مذمت کی جو صحافیوں کی موجودہ جدوجہد کو کسی ایک سیاسی جماعت کا آلہ کار قرار دے رہے ہیں۔ مسٹر چنا نے ماضی کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ صحافیوں نے ہر دور میں صحافت کی آزادی کے لئے جدوجہد کی ہے۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے بتایا کہ سابقہ حکومت کے دور میں جسارت، حریت اور مقامی مہران پر پابندی کے خلاف بھی حیدرآباد کے صحافیوں نے مہینوں جدوجہد کی ہے۔ اجلاس سے سندھ نیوز کے امداد چانڈیو اور الفتح کے احسان عظیم نے بھی خطاب کیا۔ ایک قرارداد کے ذریعہ صحافیوں کے مطالبات تسلیم کرنے اور گرفتار صحافیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ گیارہ ارکان پر مشتمل ایک ایکشن کمیٹی بھی تشکیل کی گئی۔

اب یہ بھی سنتے چلیئے کہ گذشتہ دنوں چیف مارشل لاء

پریس کلب کے صدر نثار چنا خطاب کررہے ہیں

قاضی برادران عبرت کی راہ پر

ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاالحق نے اپنے دورہ کے دوران حیدرآباد میں علاقائی پریسوں کے مسائل کے بارے میں خصوصاً اشتہارات کی پالیسی کے سلسلہ میں واضح کیا تھا کہ حکومت کی مخالفت کرنے والوں کو اشتہار نہیں دیا جائے گا۔ بھلا جس تھالی میں کھاتے ہیں۔ اسی میں چھید کرنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ سندھ میں علاقائی پریس گو کہ تعداد اور وسعت میں دور تک پھیلا ہوا ہے لیکن عرف عام میں علاقائی پریس قاضی برادران سے جانا پہچانا جاتا رہا ہے۔ قاضی برادران نہ صرف سیاست دان ہیں بلکہ اخباری وڈیرے بھی ہیں۔ اپنے اخبارات کے ذریعے اپنی سیاسی حیثیت بھی بڑھاتے ہیں اور مال ملکیت بھی بناتے ہیں۔ ماضی میں قاضی اکبر صاحب صوبائی وزیر بنے۔ ڈیپلائی صاحب سے عبرت خریدا۔ اور صحافت کے ذریعہ اپنی سیاست کو مستحکم بنانے کی کوشش شروع کی۔ مارشل لا لگا۔ کنونشن لیگ بنی۔ قاضی اکبر تو ایبڈو ہو کر سیاست کے لئے نا اہل قرار پائے۔ لیکن عبرت کے ذریعہ کنونشن لیگ کی خدمت کرکے اپنے چھوٹے بھائی قاضی اعظم کو صوبائی اسمبلی کا رکن بنوانے میں کامیاب ہوتے۔

۱۹۷۱ء کے انتخابات میں سیاسی دھارا نہ پہچان سکے۔ اسلام پسند کیمپ میں شمولیت کی۔ عبرت کے ذریعہ بھٹو اور پیپلز پارٹی کو نرن دختر گالیاں دیں۔ خود ناکام رہے۔ پیپلز پارٹی پاور میں آئی۔ عبرت کا رُخ بدلا۔ شاہ سے زیادہ وفادار بنے۔ عبرت کے اشتہارات دُگنے ہو گئے۔ قاضی اکبر نے ہفت روزہ سندھ آبزرور انگریزی اور پھر روزنامہ سندھ نیوز کا ڈیکلریشن حاصل کیا۔ میونسپل پلاٹ کوڑیوں کے مول حاصل کیا۔ کراچی صدر میں کنٹونمنٹ کا پندرہ بیس لاکھ کی قیمت کا بنگلہ صرف تین لاکھ میں حاصل کیا۔ ساتھ ہی پرتگال میں سفیر بھی بنے مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں قاضی اعظم صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اکتوبر کے مجوزہ انتخابات تک پیپلز پارٹی سے وفاداری برقرار رکھی۔ احتساب کا عمل شروع ہوتے ہی عبرت کا رخ بدلنا چاہا۔ پیپلز پارٹی کے کارکن دوڑے۔ استقامت کی درخواست کی۔ جواب ملا کہ مالی مشکلات ہیں۔ صاحب حیثیت کارکنوں نے لاکھوں کا ڈھیر حوالے کیا۔ عبوری حکومت پر تنقید اور تبصرہ تو جرأت چاہتا ہے۔ بھلا مصلحت اجازت کیسے دیتی۔ پھر اشتہار بند ہونے کا بھی خطرہ تھا۔ باغباں اور صیاد دونوں کو خوش کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ عبرت کے پہلے صفحہ پر ہر روز بھٹو کی تصاویر شائع کرنی شروع کردی۔ ورکر بھی خوش ہوتے کہ چلو گندم نہیں تو بھس بھی غنیمت ہے۔ اشاعت بھی دگنی ہو گئی۔ ہر طرف سے دولت کی بارش ہو گئی۔ لیکن اسی دوران جنرل ضیاالحق نے اشتہارات کے بارے میں وضاحت کردی۔ قاضی بھلا لکشمی کیسے چھوڑیں۔ بھٹو کا فوٹو اور پیپلز پارٹی کی خبروں کا بلیک آؤٹ کیا۔ بتانے والے یہ بھی بتاتے ہیں کہ سندھ کے سکریٹری انفارمیشن کے حضور بھی پیش ہوئے۔ خوب آنسو بہائے۔ پیپلز پارٹی کی حمایت سے دست کش ہونے کی یقین دہانی کرائی۔ تحریری معافی نامہ بھی دیا۔ اشتہار جاری رہا۔ داستان طویل مگر عبرت انگیز ہے سندھ نیوز بھی مشرف باسلام ہوا۔ قاضی اکبر صاحب اگر پیپلز پارٹی کے دور میں پیپلز پارٹی کے پریس کمیشن کے چیئرمین بن کر سندھی اخبارات و رسائل پر پابندی لگوا کر سرخرو ہوتے تھے۔ اب بھی پیچھے نہ رہے علاقائی اخبارات کے مسائل کے جائزے کی کمیٹی کے لئے مہران کے سید سردار علی شاہ کے ساتھ رکن مقرر ہوئے۔ اب بھلا سندھ نیوز کے پلاٹ کا نام کون لے گا؟ کہا جا رہا ہے کہ ڈیولائن صدر کے بنگلے کا بھی بیس لاکھ میں سودا ہو گیا ہے۔ اچھا ہے۔ ماضی کے آثار جتنی جلدی مٹ جائیں بہتر ہے۔ آخر مستقبل کے مواقع کے لئے ضروریات کی نئی فہرست تو چاہیئے۔

سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کے باوصف اندرون خانہ سیاسی رابطے اور جوڑ توڑ کا بازار گرم ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے ملک کے مختلف حصوں میں جو کرتب دکھلائے ہیں اس کا نتیجہ ملک کے دیگر صوبوں میں چاہے ٹائیں ٹائیں فش ہی رہا ہو لیکن صوبہ سندھ میں ان کے سدھائے ہوئے مہرے آج بھی سرگرم ہیں۔ اندرون سندھ ان کی سرگرمیاں غیر محسوس طریقے سے اپنا دائرہ وسیع کرتی جا رہی ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ فطری طور پر کمزور دائرہ کچھ وسیع ہو کر یقینی طور پر ٹوٹ جائے گا۔

سندھ کے ایک بڑے وڈیرے جو اپنی اوطاق سے ایوانِ اقتدار تک سفر میں خاصی جستیں لگا چکے ہیں اور جن کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ بھٹو صاحب کو ایسا وزیر اعلیٰ جو اللہ میاں کی گائے ہے مقدر سے ہی ملا ہے۔ مولانا کوثر نیازی دیدہ وروں کو تاڑنے میں چونکہ اپنا جواب نہیں رکھتے اسی لئے انہوں نے اپنے دورہ سندھ میں بھی ایک اللہ میاں کی گائے کو تاڑا اور اس سے مذاکرات کئے۔ گزشتہ دنوں اس گئے صورت وڈیرے نے بڑی آہ و بکا کی کہ میں نے کوثر نیازی سے کوئی ملاقات نہیں کی، میں صرف بھٹو صاحب کا وفادار ہوں، میری وفاداری کو خدا کے لئے مشکوک اعتداد

نہ بناؤ "نہ" لیکن سیاسی بصیرت رکھنے والے اس واویلے کے پس پردہ جھانکنے اور حقیقت حال کو تلاش کرنے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ ان ماہروں کی آنکھیں آج سندھ میں ہونے والے اس تماشے کو دیکھ رہی ہیں تو اس کے پیچھے انہیں صاف طور پر گائے صورت وڈیرے صاحب نظر آرہے ہیں۔

گائے صورت وڈیرے کے ایک نامور حلقہ بگوش جسے اپنے بنگلے میں اسلحہ رکھنے کے الزام میں گزشتہ دنوں گرفتار کیا گیا تھا اور جو بھٹو کے عہد میں خاصی با اثر شخصیت ہوتے تھے کنونشن لیگ سے لے کر پیپلز پارٹی تک، اسمبلی اور وزارت سے لے کر سینیٹری تک، پلاٹوں کے الاٹمنٹ سے لے کر قرضوں تک اس کی رسائی رہی اور وہ اقتدار و سرمایہ کے ساتھ ایک ساتھ کھیلتا رہا ہے اور اس تمام عرصہ میں گائے صورت وڈیرے صاحب کی نظر عنایت اس پر رہی ہے۔ ظاہر ہے آج موصوف اپنے حلقہ بگوش کے گلے ہی میں رسا ڈالنے کے علاوہ اور کیا کرتے کیونکہ وہ تو بقول خود بھٹو صاحب کے وفادار ہیں اور اپنے قول پر "قائم" رہنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ پس پردہ رہ کر اپنے دست و بازو سے کام لیا جائے۔

گائے صورت وڈیرے کے حلقہ بگوش سید قمر الزمان شاہ ایک طرف سرگرم ہوئے تو دوسری طرف پیر سعید جان سرہندی بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ پیر صاحب کا مسئلہ یہ ہے کہ گائے صورت وڈیرے نے جو انہیں لاکھوں روپے قرض دلائے ہیں ان کی ادائیگی کی کوئی صورت نکل آئے۔ یکمشت ادائیگی تو ان کے بس کی بات نہیں بالاقساط ادائیگی پر معاملہ طے کرایا جائے اور اس عرصہ میں حکومت کا اونٹ ان کی طرف کروٹ لے تو پھر قسطیں ادا کرنے کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ شاہ اور پیر کا مسئلہ تقریباً ایک سا ہے۔ یعنی اپنی غلط کاریوں کی لیپا پوتی کے لئے کسی صورت اثر و رسوخ حاصل کیا جائے اس لئے یہ لنگڑے لولے کی جوڑی نے اپنی ڈوریاں گائے صورت وڈیرے کے ہاتھ میں دی ہوئی ہیں اور وہ کٹھ پتلیوں کی طرح دائیں بائیں آڑے ٹیڑھے ہو رہے ہیں

آج کل یہ جوڑی جیلوں کے طواف میں مصروف ہے تاکہ کچھ لوگوں کو رہائی کے لالچ کے سہارے اپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا جائے مبینہ طور پر فی الحال بھٹو کے ایک نام نہاد پرستار اور سیاست کے رہنما حسین شاہ بخاری اور ستار بجانی نے ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جیل سے باہر آنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ گائے صورت وڈیرے کے حلقہ بگوش شاہ اور پیر نے اپنی کارکردگی اور وڈیرے کی جوڑ توڑ کے سہارے عبدالخالق سومرو، بھورل شاہ، امام علی انڑ، جمال شاہ اور نور شاہ کو بھی الگ الگ رابطے کے مشن پر لگا دیا ہے۔ گائے صورت وڈیرے کے بھائی کے بقول صرف ٹھس وڈیروں سے سیاست کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اس لئے کچھ فعال ورکرز بھی اس جتھے میں شامل ہونے چاہئیں۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پیپلز پارٹی ضلع حیدرآباد کے سابق صدر نور محمد مگھیو سے رابطہ مہم جاری ہے۔ نور محمد صاحب کی کارکردگی کی صلاحیت نے جہاں ایک طرف اس جتھے کو متوجہ کیا تو دوسری طرف مسلم لیگ

222 6 فٹ کا

کمرشیل پلاٹ

ایک کاغذی

تنظیم کو دیدیا گیا

کے سید ذوالفقار علی شاہ جاموٹ کوشہ دی اور اب نور محمد صاحب مسلم لیگ اور اس جتھے کے سروتے کے درمیان ہیں دیکھیے اب ان کا حشر کیا ہوتا ہے اگر وہ کسی ایک طرف چلے گئے تو ٹھیک ورنہ درمیان ہی سے کٹ جائیں گے۔

انتخابات نہ ہونے کے نتیجہ میں جہاں ملک کو سیاسی معاشی بحران کا سامنا ہے وہیں سول انتظامیہ بھی بنیادی فرائض کی تکمیل میں پہلے سے کچھ زیادہ ہی ٹھس ہو گئی ہے۔ چونکہ عام آدمی کے مسائل کی کنجی کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور اسسٹنٹ کمشنر کے جیبوں میں ہوتی ہے اور یہی حضرات آج کل علاقے کے امن و امان کی صورت حال کے جائزے اور اس کی بحالی کے بنیادی کام میں جٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے عام آدمی کے وہ مسائل جو پہلے ہی سرد خانوں کی نذر تھے مزید منجمد ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی مسائل کے شکار حضرات آج بھی ڈومیسائل، زمینوں کے تنازعے اور دیگر مسائل پر درخواستوں کے انبار میں اضافہ ہی کرتے جا رہے ہیں۔ افسران کو فرصت کہاں کہ وہ اسے صرف ایک نظر ہی دیکھ لیں۔ چلیے ہم اور آپ ہی سارے مسائل پر تو نہیں صرف دادو ضلع کے ایک شہر کوٹڑی کے مسائل پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ ضلعی ہیڈ کوارٹر دادو کوٹڑی سے تقریباً سوا سو میل ہے۔ ڈپٹی کمشنر کو ضلعی ہیڈ کوارٹر میں رہنا چاہیے مگر کوٹڑی کے صنعتی علاقے، سندھ یونیورسٹی، میڈیکل کالج مہران یونیورسٹی آف انجینئرنگ اور کمشنر، مارشل لاء حکام کی جانب سے آئے دن کے انتظامی اجلاسوں میں شرکت کے فرائض کے سبب ڈپٹی کمشنر صاحب مہینے میں پندرہ دن ہیڈ کوارٹر سے باہر رہتے ہیں مگر یہ پندرہ دن مسلسل ایک ساتھ نہیں بلکہ مختلف اوقات میں کام آتے ہیں اس لئے باقی پندرہ دن کام کے پندرہ دن کی نذر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ صورتحال ادھر ڈوبے اُدھر نکلے والی ہوتی ہے اس لئے عوام کے مسائل پر انہیں فیصلہ دینے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ اب رہے اسسٹنٹ کمشنر صاحب تو وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں۔ کبھی انہیں ان سے چھٹی ملتی ہے تو وہ دن چڑھے دفتر آتے ہیں، خوش گپیاں کرتے ہیں۔ دوسرے دن کا پروگرام بناتے ہیں اور پھر اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں تنازعات و مقدمات ڈائری کلرک سے آگے جا ہی نہیں سکتے تو پھر ان کی دادرسی کا سوال کہاں اٹھ سکتا ہے۔ اس سے بدتر حالت میونسپل کمیٹیوں اور لوکل باڈیز کی بنی ہوئی ہے۔ ہر ایڈمنسٹریٹر لوکل باڈیز کی ملکیت اور فنڈ کو لوٹ کا مال سمجھ کر من مانے طریقے پر تصرف میں لاتا ہے۔ اس شخص کے اختیارات چونکہ "لامحدود" ہوتے ہیں اس لئے اس پر کوئی ٹوکنے والا افسر ہماری نظر سے تو نہیں گزرا۔ ابھی حال ہی میں آزاد میدان اور پرانی گوشت مارکیٹ کا چھ ہزار دو سو بائیس فٹ کا ایک پلاٹ جو مرکزی سڑک پر واقع ہے صرف آٹھ روپے فٹ کے حساب سے ۵۰ ہزار روپے میں خفیہ طور پر یعنی بغیر کسی نیلام وغیرہ کے شہر کے ایک با اثر شخص کو ایک کاغذی انجمن کے حوالے سے فروخت کر دیا گیا ہے جبکہ اسی پلاٹ پر اگر میونسپلٹی شاپنگ سنٹر ہی تعمیر کر دیتی تو ہمارے حساب سے اسے سالانہ ۴۰ ہزار روپے کرایہ وصول ہوتا رہتا اور اگر ایماندارانہ طور پر اس پلاٹ کو مروجہ طریقے پر نیلام کیا جاتا تو اسی پلاٹ کے تقریباً ۲ لاکھ روپے وصول کئے جا سکتے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ کیا جاتا تو اس سے عوام کو فائدہ پہنچنے کا شدید خطرہ تھا اور میونسپلٹی کے ارباب حل و عقد بے نیل و مرام رہنے کے خطرے سے دوچار ہو جاتے۔ ظاہر ہے ان دونوں خطروں سے دوچار ہونے کے لئے کون تیار ہوتا ہے۔

جامعہ کراچی، انجینئرنگ یونیورسٹی اور ڈی ایم سی

توصیف احمد

جمعیت کی قلابازیاں سوداگروں کے اخبار کا پروپیگنڈہ

ڈی ایم سی میں انتخابات جمعیت کے اصرار پر منسوخ کئے گئے

مارشل لاء ضابطہ نمبر ۲۸ کی منسوخی کے کئی مہینے بعد طلبا کی جدوجہد کامیاب ہو گئی اور ۴ مئی کو جامعہ کراچی این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی اور ڈاؤ میڈیکل کالج میں انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا مگر اس دفعہ انتخابات کی تاریخ کا فیصلہ جامعہ کی انتظامیہ کے بجائے مارشل لاء حکام نے کیا۔ ڈاؤ میڈیکل کالج میں پرنسپل نے خود انتخابات کرانے کی تاریخ کا اعلان کر دیا تھا۔ اسی لئے اعلیٰ حکام نے انتخابات کو ملتوی کروا دیا۔ اس دفعہ انتخابی مہم کے لئے صرف ۷ دن کا وقفہ دیا گیا ہے جبکہ جامعہ کراچی کے آئین کے تحت کاغذات نامزدگی کے بعد ۱۵ دن کا وقفہ ضروری ہے۔

انتخابات کی تاریخ کے اعلان کے ساتھ ہی ترقی پسند اور لبرل طلبا کے درمیان اتحاد کے لئے کوششیں شروع ہو گئی تھیں۔ تمام ترقی پسند طلبا تنظیموں کے کارکن شروع ہی سے اس بات پر زور دے رہے تھے کہ رجعت پسندوں کے خلاف ایک وسیع متحدہ محاذ فوراً قائم ہونا چاہیئے۔ مگر پھر بھی ایک متحدہ محاذ وجود میں آگیا۔ اس اتحاد میں پاکستان لبرل اسٹوڈنٹس پروگریسو فرنٹ اور نیشنل پروگریسو الائنز شریک ہیں۔ اس اتحاد کے اعلان کے ساتھ ہی انتخابی مہم میں انتہائی جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ پہلے دن اتحاد کے اعلان کے ساتھ ہی طلبا نے ایک بہت بڑا جلوس نکالا جس نے پوری جامعہ کا گشت کیا۔ جمعیت والے اپنے جلوس میں باہر سے کالجوں کے لڑکوں کو لانے کے باوجود اپنے جلوس کو اس جلوس کی تعداد کے برابر نہیں کر سکے۔

۱۰ تاریخ کو جمعیت نے اپنے پینل کا اعلان کر دیا۔ پینل کے اعلان سے جمعیت میں مختلف برادریوں کے گروپوں کی کشمکش واضح طور پر سامنے آگئی۔ جمعیت کا ترجمان اخبار جسارت جس پر دہلی سوداگران کے گروپ کا مکمل اثر ہے۔ پچھلے ہفتے تک اس امر کا اظہار کر رہا تھا کہ اس دفعہ جمعیت کی طرف سے صدارتی امیدوار آصف مسعود جنرل سکریٹری کے امیدوار سرور منیر، جوائنٹ سکریٹری کے امیدوار طاہر مسعود اور ادیبہ تنویر ہوں گے۔ اسی لئے پچھلے پورے سمسٹر میں ان افراد کو ہر مسئلے پر آگے لانے کی کوشش کی گئی تھی۔ آصف مسعود جامعی اور سرور منیر کیونکہ چند پرچوں میں فیل ہو گئے تھے اس لئے یونین کے صدر محمود احمد اللہ والا نے سنڈیکیٹ سے خصوصی طور پر خصوصی ضمنی امتحان منعقد کرانے کا حکم جاری کروایا تھا آصف مسعود جامعی اور سرور منیر نے کاغذات نامزدگی کی تاریخ سے دو دن پہلے خصوصی امتحانات دیئے تھے مگر جامعہ کراچی کے باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ پنجابی گروپ نے آخری وقت جمعیت کی مجلس شوریٰ کو اس بات کی دھمکی دی کہ اگر سلیم مغل اور محمد سلیم کو ٹکٹ نہ دیئے گئے تو وہ جمعیت سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ سلیم مغل کو صدر، محمد سلیم کو جوائنٹ سکریٹری اور عارف کو جنرل سکریٹری کا ٹکٹ دینے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس پینل کے اعلان سے جمعیت کے کارکنوں کی ایک بڑی تعداد مایوس ہوئی تھی۔

لبرل اسٹوڈنٹس پروگریسو فرنٹ اور نیشنل الائنز کی جانب سے ۱۱ مئی کو شعبہ معاشیات میں ایک جلسہ میں اپنے پینل کا اعلان کیا گیا۔ اتحاد کی جانب سے صدارت کے لئے مصطفین کاظمی جنرل سکریٹری کے لئے مظفر معراج جوائنٹ سکریٹری کے لئے طیب خاں اور گرلز جوائنٹ سکریٹری کے لئے روبینہ ضیاء کو ٹکٹ دیا گیا۔ اس پینل کی خامی یہ ہے کہ تین اہم پوسٹوں پر جو طالب علم نامزد کئے گئے ہیں ان تینوں کا تعلق آرٹس فیکلٹی سے ہے۔ سائنس اور فارمیسی فیکلٹی جو انتخابات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں وہاں سے پینل میں کسی بھی فرد کو شامل نہیں کیا گیا بہرحال اتحاد کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے سارا زور سائنس اور فارمیسی میں دیں گے۔

جمعیت کی جانب سے شعبہ ریاضی میں ایک جلسہ ہوا۔ جلسے میں شرکت کے لئے باہر سے لڑکوں کی بھاری تعداد کو جامعہ لایا گیا تھا۔ جامعہ میں آج کل یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ جمعیت نے اپنے آپ کو شکست سے بچانے کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا ہے جس کے تحت انتخابی مہم کے آخری دنوں میں جھگڑا کرایا جائے گا اور اس جھگڑے کی آڑ لے کر جامعہ کو بند کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس لئے جمعیت نے کراچی شہر کے نامی گرامی غنڈوں کو بک کروا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ میں بہت سے نئے چہرے گردش کرتے نظر آ رہے ہیں۔

بہرحال انتخاب کے نتائج کا دارومدار سائنس فیکلٹی کے طلبا کے اوپر ہے جو تنظیم بھی سائنس میں کامیاب ہو جاتی ہے فتح اسی کی ہو گی۔

جامعہ کراچی میں انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی میں انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی میں پچھلے تین سال سے پروگریسو فرنٹ کی یونین کامیاب ہو رہی ہے پروگریسو فرنٹ کی یونین نے این ای ڈی کے طلبا کے لئے عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ این ای ڈی انجینئرنگ کالج کو یونیورسٹی بنانے اور اس کا نیا کیمپس بنوانے کا سہرا بھی پروگریسو فرنٹ کے سر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے تین سال کے دوران فرنٹ نے ہر سال جمعیت کو شکست فاش دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت والے این ای ڈی کالج کی طرف توجہ دیتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

اس دفعہ جب انتخابی مہم کا آغاز ہوا تو واضح طور پر صورت حال پروگریسو فرنٹ کے حق میں تھی۔ خود جمعیت

کے رہنما این ای ڈی کی صورت حال سے مایوس تھے۔

جمعیت والوں نے جب دیکھا کہ وہ انتخابات میں کامیاب نہیں سکتے تو انہوں نے ایک سازش کے تحت کینٹین میں فرنٹ کے کارکنوں پر حملہ کر دیا۔ اس ہنگامے میں جمعیت والوں نے لاٹھیوں اور ڈنڈوں کا استعمال کیا مگر جب فرنٹ کے کارکنوں نے ان کے ڈنڈے چھین کر ان کے حملے کا جواب دیا تو جمعیت والے بھاگ گئے۔ دوسرے دن جمعیت نے اس واقعے کو این ای ڈی اور جامعہ کراچی میں اچھالنے کی کوشش کی۔ جمعیت والوں کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح این ای ڈی کالج کے انتخابات کو ملتوی کروا دیا جائے اور یونیورسٹی کو بند کرا دیا جائے۔ مگر طلبا و طالبات نے جمعیت کی اس سازش میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ این ای ڈی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر نے واضح طور پر کہا کہ این ای ڈی میں انتخابات ملتوی کرانے کی ہر سازش کو ناکام بنا دیا جائے گا۔

جب حکام کو یہ یقین ہو گیا کہ اس بار ڈاؤ میڈیکل کالج میں جمعیت نہیں جیت سکتی تو انہوں نے جمعیت کے بے حد اصرار پر الیکشن منسوخ کر دیئے۔

۱۸ مئی ۱۸ مئی۔ ڈی ایم سی سے جمعیت جیت گئی۔ کے فلک شگاف نعروں نے حکومت اور فرقۂ مودودیہ کے صالحین، مجاہدین اور منافقین کے لئے مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ اسلامی جمعیت طلبا کی یونین نے مارشل لاء کی مرضی سے ۱۸ مئی کی تاریخ مقرر کی تھی مگر جب ۱۰ مئی کو فرسٹ ایر کی پہلی کلاس ہوئی اور اس میں واضح طور پر این ایس ایف کی اکثریت نظر آئی تو حکام اور جمعیت دونوں ہی اس فیصلے پر پہنچے کہ الیکشن ملتوی کر دیئے جائیں۔ تاکہ وہ فائنل ایر جس کے امتحانات ۹ مئی کو ختم ہو رہے ہیں کالج سے نکل جائے جس میں ۹۰ فیصد ووٹ این ایس ایف کے ہیں۔

یہ صورتحال این ایس ایف کے لئے سخت تشویش کا باعث بنی اور این ایس ایف نے یہ مطالبہ کیا کہ فوری طور پر الیکشن کی تاریخ ۱۸ مئی مقرر کی جائے طالب علموں کے جلسہ عام میں ایک خاص تصویر جلانے کے بعد یہ مطالبہ اتنا شدید ہو گیا کہ جمعیت کو ساکھ بچانے کے لئے کالج پر قبضہ کرنا پڑا۔ اور پھر حکومت اور جمعیت کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جمعیت کے اور این ایس ایف کے چند کارکنوں کو گرفتار کیا گیا اور دو گھنٹے بعد این ایس ایف کے کارکن چھوڑ دیئے گئے تاکہ طالب علموں میں یہ بات کی جائے کہ این ایس ایف مارشل لاء کے ساتھ ہے۔ اور اس کالج وہ طلبا کی حمایت سے محروم ہو جائے۔

کالج پر قبضہ بھی اپنی نوعیت کا واحد قبضہ تھا۔ صبح ۹ بجے سے ۲ بجے تک پرنسپل صاحب بیٹھتے تھے ۲ بجے سے ۳ بجے تک لنچ ہوتا تھا اور ۳ بجے سے ۹ بجے تک جمعیت کے لوگ بیٹھتے تھے۔ اور اس قبضے کے دوران جمعیت اور پرنسپل کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہوا۔ جس میں طے ہوا کہ طالب علموں کو رہا کر دیا جائے گا۔ کالج کھول دیا جائے گا اور الیکشن کی تاریخ، اکیڈمک کونسل مقرر کرے گی۔

اب اگر طالب علم یہ سوال کرتے ہیں کہ بھائی آفس پر قبضہ تو ۱۸ مئی کے لئے ہوا تھا۔ کالج بند تو اس لئے ہوا تھا کہ طلباء ۱۸ مئی کی تاریخ مانگ رہے تھے اور عزیز صاحب بھائی نے تو اس لئے گئے تھے کہ ۱۸ مئی کی تاریخ منوائیں گے۔

خوب کہا ہے کسی نے کہ چور چوری کا سے جاتا ہے ہیرا پھیری کا سے نہیں۔

بقیہ:۔ کوڑے اور آزادیٔ صحافت

کے سیکرٹری جنرل نثار عثمانی، اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل عبدالحمید چھاپرا، اپنک کے سیکرٹری جنرل حفیظ راقب دیگر عہدیدار، میرے دیگر یار غار ہیروز، مرد میدان شامل ہیں۔ بہت آ گئے گئے، باقی تیار بیٹھے ہیں۔

۱۳ مئی کا دن ہے۔ لاہور میں سرسری سماعت کی فوجی عدالت میں اخباری صنعت کے بیس صحافیوں اور کارکنوں کو پیش کیا گیا ان میں سے پندرہ افراد کو تین سے نو ماہ قید سخت اور ایک ہزار سے پانچ ہزار روپے تک جرمانے کی سزا دی گئی۔ پندرہ میں چار صحافیوں اور کارکنوں کو کوڑوں کی سزا بھی دی گئی۔ سزا سنانے کے کچھ دیر بعد ہی ان کو کوڑے لگا دیئے گئے جن کو کوڑے لگائے ان میں پاکستان ٹائمز راولپنڈی کے سینیئر سب ایڈیٹر اور سینیئر صحافی مسعود اللہ خان، "الفتح" کے نمائندہ ملتان ناصر زیدی، روزنامہ سن کراچی کے کاپی پیسٹر محمد اقبال جعفری اور روزنامہ مساوات لاہور کے سب ایڈیٹر خاور نعیم ہاشمی شامل ہیں

متمدن دنیا کا پہلا اور افسوسناک واقعہ ہے کہ صحافیوں، قلم کے محافظوں، سچائی اور حق گوئی کے بیباک ترجمانوں کی ننگی پیٹھوں کو لہراتے ہوئے کوڑوں سے نوازا گیا۔ ملک کے نئے حکمرانوں، تمہارا بہت بہت شکریہ، یہ سزا دے کر تم نے کم از کم ثابت کر دیا کہ صحافی اور پریس کارکن بھی اپنے محنت کش بھائیوں کے برابر قربانی کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں، رنگ، نسل، خون، گوشت اور پیشہ درانہ تفریق سب بکواس ہے اصل قدر مشترک محنت ہے۔ کارخانے کا مزدور اور پریس کا صحافی برابر ہے محنت کے مخالفین سزا دینے میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ حاکموں تمہارا شکریہ کس زبان سے ادا کریں کہ تم نے یہ طلسم بھی توڑ دیا۔ ہم بہت دنوں سے یہی چیخ رہے تھے۔ ہم سب برابر ہیں۔ طبقاتی بھائی ہیں۔ ہماری خوشیاں اور غم ایک ہیں اور ہم ظلم کے خلاف شانہ بشانہ پاؤں جما کر کھڑے ہیں تو پھر سزائیں بھی ایک ساتھ، ایک جیسے کیوں نہ برداشت کریں۔ کوڑے اور پھندے اور قید کی سزائیں، ہمیں دور لے جانے کی بجائے اور قریب لے آئیں گی۔ تم ظلم کے ہر وار آزما لو۔ ہمیں اکٹھے پاؤ گے۔

جن ساتھیوں کو کوڑوں کی سزا دی گئی، ان کے چہرے پر بال برابر ملال نہ تھا۔ ماتھے پر ہلکی شکن بھی نہ تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے فیصلہ سنا اور جواب دیا "تیار ہیں۔ آزادیٔ صحافت زندہ باد"۔

۲ مئی کو گرفتار ہونے والے ساتھیوں کو جو چارج شیٹ دیا گیا ہے اس میں الزام لگایا گیا ہے کہ مساوات پریس کے قریب منٹگمری روڈ پر ایم ایل اے پنجاب سے تحریری اجازت لئے بغیر میٹنگ کی گئی، اور حکومت پر دباؤ ڈالا گیا کہ روزنامہ مساوات اور اس کے پریس کو بحال کیا جائے۔ مساوات کے گرفتار مدیروں اور صحافیوں کو رہا کیا جائے جو ایم ایل آر کے تحت قابل سزا جرم ہے۔

چارج شیٹ کی دوسری شق میں کہا گیا ہے کہ "تیز ہو تیز ہو، جدوجہد تیز ہو، ظلم و تشدد بند کرو، جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا جہاد ہے، صحافیوں کو رہا کرو، کے سنسنی خیز نعروں کے ذریعہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیا گیا اور عوام میں سنسنی اور غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی گئی جو ایم ایل آر ۳۳ کے تحت قابل مواخذہ جرم ہے"۔

ان الزامات کے بارے میں ہمارے کچھ کہنے سے بہتر ہے کہ تاریخ کوئی فیصلہ کرے اور تاریخ اپنا فیصلہ ضرور دے گی۔

جیل سے قیدی اخبار نویس علی احمد خاں کے دو خط

حوصلے بلند ہیں، فتح کا یقین ہے

اگر اللہ نے پیسے دیئے تو پوری جیل خرید لوں گا!

کیمپ جیل لاہور۔

۷ مئی ۱۹۷۰ء۔

دوستو!

آج ہی سول لائن پولیس اسٹیشن کے لاک اپ سے نکل کر مارشل لاء ہیڈ کوارٹر اور مارشل لاء سمری کورٹ سے ہوتا ہوا کیمپ جیل پہنچا ہوں بڑی پُر فضا جگہ ہے ہمیں دس چکی میں رکھا گیا ہے جہاں ہم کیس کے بہت سارے لڑکے بھی موجود ہیں۔ کمرے بڑے بڑے اور کشادہ پنکھے اور روشنی کا ہمہ وقتی انتظام، آنگن میں پانی کا نلکا موجود ہے جس کی موٹی دھار دیکھ کر نغیم آردی یاد آتا ہے۔ کہ کاش وہ آج یہاں ہوتا تو پانی کے مسئلے تو اسے کم از کم نجات مل ہی جاتی۔ اگر بے چارہ نیو کراچی میں اب تک پانی کی قلت محسوس کر رہا ہے تو فوراً بھیجدو۔

کمروں کی افراد اور انگنائی کی وسعت دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ کاش بیوی بچے بھی ہوتے تو کچھ دن ذرا بڑے گھر میں رہنے کا مزہ تو لوٹ سکتے تھے۔ میرے جیسے کوئی بیس مکان نکل آئیں گے۔ اتنا بڑا احاطہ ہے۔ پنکھا ہر وقت چلتا رہتا ہے جو مجھے گزشتہ ۲ برس میں تو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اگر مجھے اللہ نے کبھی پیسے دیئے تو پوری جیل کو خرید لونگا۔

کھانا دال اور روٹی پر مشتمل ہے روٹیاں بالکل بسکٹ جیسی کرکری۔ اور دال جانے کس چیز کی ہوتی ہے لیکن اتنی لذیذ کہ دل چاہتا ہے کھائے ہی چلا جاؤں۔ واپس آؤں گا تو نسخہ لیتا آؤں گا اور پریس کلب میں اسپیشل ڈش کے طور پر یہ پکوائی جائے گی۔ پھر جیل کی طرف سے وافر مقدار میں فراہم کی جاتی ہے اور بالٹیوں میں لا کر لائی جاتی ہے سنتے ہیں کہ نظام الدین اولیا کے مزار پر لنگر اس طرح چلتا ہے یا پھر یہاں۔

میں جس کمرہ میں ہوں اس میں کل تک آٹھ آدمی تھے جس سے ذرا تنگی کا احساس ہوتا تھا چنانچہ آج پندرہ افراد کو سزا دے کر کوٹ لکھپت بھیجدیا گیا۔ اور اب ہم پانچ آدمی رہ گئے ہیں۔ سب کراچی کے ہیں بھائی صبیح الدین اچھی میمن، حفیظ اور محمد خان۔ صبیح الدین غوثی کھانے پر اس طرح ٹوٹتے ہیں جیسے کبھی کھایا ہی نہ ہو۔ چٹخارے لے لے کر کھاتے ہیں لیکن نانکرے ہیں کبھی کہتے ہیں نمک کم ہے کبھی کہتے ہیں زیادہ ہے کبھی دال اٹھا کر دیکھتے ہیں اور سب سے پوچھتے ہیں کس چیز کی ہے پانی بھی ایسے پیتے ہیں جیسے بیئر ہو۔ وہ روز سے انڈر ویئر پہن کر ہم والے لونڈوں کے ساتھ زور کرتے ہیں۔ اور ڈنڈ بیٹھکیں بھی لگاتے ہیں پھر اپنے بازوؤں کے پٹھوں کو دیکھ کر بڑے پیار سے کہتے ہیں مشتاق میمن آجاتا تو بے چارے کی صحت اچھی ہو جاتی۔ سگریٹ بڑے چاؤ سے اور بہت زیادہ پیتے ہیں۔ لیکن میرے معاملہ میں حسب عادت کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسپین کی خانہ جنگی سے متعلق ایک کتاب بھی ساتھ لے آئے ہیں۔ اور ہر بات فرانکو، مسولینی اور ہٹلر کے حوالے سے کرتے ہیں۔ میں اردو ڈائجسٹ اور زندگی وغیرہ کی قسم کی چیزوں کی فکر میں ہوں۔ اگر مل گئیں تو انشاءاللہ ایسے دہشتناک قصے سناؤں گا کہ ان کے فرانکو وغیرہ دھرے رہ جائیں گے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اتنی پیاری جگہ ہیرالڈ اور جنگ پریس کو بھی دکھانی چاہیئے اگر صرف چھوٹے اخبارات پر ہی انحصار کیا گیا تو بڑے اخبارات کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوگی۔

۶ بجے شام کمرہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور صبح ۵ بجے کھلتا ہے بڑا شاندار دروازہ ہے اصل لوہے کی سلاخیں ہیں موٹی موٹی اور مضبوط۔ بند ہو جاتا ہے تو کھولے نہیں کھلتا۔ اور میرا خیال ہے اگر کھل گیا تو شاید بند کرنا بھی آسان نہ ہو۔ رات بھر پہرے داروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں کبھی دور سے کبھی قریب سے رات کے سناٹے میں بڑی سریلی لگتی ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کل مشورہ دوں کہ ذرا زور سے لگایا کریں تاکہ سارے سونے والے جاگ جایا کریں اور جاگتے ہی رہیں۔ گھڑیاں گیٹ پر ہی اتروا لی جاتی ہیں اس لئے وقت کا تعین ذرا مشکل سے ہوتا ہے لیکن طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے کے آنے کی خبر ہو جاتی ہے۔

دیواروں پر نصیحتیں بڑی خوشخط اور نمایاں طور پر لکھی ہوئی ہیں مثلاً نماز پڑھو۔ بڑوں کا حکم مانو۔ اچھی صحبت اختیار کرو۔ حکومت کے اہل افراد کا احترام کرو مجھے احساس ہوتا ہے میں اپنی ماں، بیوی، بچوں اور دوستوں کی صحبت میں کتنا خراب ہو گیا ہوں۔ فی الحال سب سو گئے ہیں رات آدھی سے زیادہ تو یقیناً گذر گئی ہے اس لیے بس۔

علی احمد خان

کیمپ جیل ۸ مئی ۱۹۷۰ء

دوستو! حسب ارادہ آج پھر کاغذ قلم لے کر بیٹھا ہوں ارادہ یہ ہے کہ بہت مختصر سا خط لکھوں۔ اس لئے کہ سارے ساتھی جاگ رہے ہیں۔ (لائٹ چلی گئی) برابر کے سیل سے شیر انگن کی سریلی آواز سنائی دے رہی ہے فیض کی غزل ؎

تیرے غم کو جاں کی تلاش تھی

تیرے غمگسار چلے گئے۔

میں سیل کے کھلے حصے میں سو رہا ہوں لیکن غوثی اور اچھی میمن آکر بستر پر لیٹ گئے ہیں۔ اس لئے میں دروازہ کے قریب آگیا ہوں۔ جس کے ساتھ لگی ہوئی ایک نالی بہہ رہی ہے جس میں لوگ ساڑھے چھ بجے دروازہ بند ہو جانے کے بعد حوائج ضروریات سے فارغ ہوتے ہیں فینڈک اور کیڑے اچھل کر آجاتے ہیں جنہیں باہر نکالنا خاصا صبر آزما کام ہے آج اچھی میمن، حکیم اشرف، احسان اللہ اور ایک اور صاحب کی پیشی تھی لیکن کل کی تاریخ پڑ گئی ہے دوسرے چار ساتھی مساوات کراچی کے عاطف شیخ، مشرق کراچی کے خالد سعید بٹ، پی پی ایل راولپنڈی کے صوفی صاحب اور حیات لاہور کے اقبال رانا آج پہنچ گئے ہیں۔

آج صبح کوئی پانچ بجے آنکھ کھلی۔ چڑیوں کی آواز سے۔ یہ پہلا موقعہ ہے ورنہ کراچی میں تو گاڑیوں کی آواز سے ہی آنکھ کھلتی ہے۔ نہانے دھونے اور ناشتہ کے بعد جو ابلے ہوئے چھولوں پر مشتمل تھا چوپال لگی جس میں شیر انگن نے غزلیں اور دو ہم بچوں نے پنجابی اور فلمی گیت سنائے عات اعوان (ایم این اے) نے رقص کیا اور پھر اخبار آگئے۔ غوثی نے حسب معمول کسرت کی اور اپنے اندر شیخ اسلم صاحب

کے کپڑے دھوئے پھر کپڑوں کے سوکھنے تک انڈر ویئر چڑھائے گھومتے رہے دوپہر سونے کی کوشش اور ایک دوسرے کے کمرہ میں آنے جانے میں گزری شام ہوئی تو چائے اور غسل کا دوسرا دور شروع ہوا۔ مساوات پڑھا گیا اور کوڑوں کی سزا دینے کا ڈرامہ پیش کیا گیا۔

حکیم اشرف صاحب بیتی سے واپس آئے تو ان سے مولانا رومی کی کچھ مثنویاں، حکایتیں اور طب کے کچھ اصولوں پر بڑی سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ پھر لطیفے سنائے گئے بڑی دیر کے لعد ذرا خاموشی ہوئی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب صبح کی انتظار میں جاگ رہے ہیں۔ غوثی نے بھی آج ایک خط لکھا ہے۔ حوصلے خاصے بلند ہیں لوگوں میں بے پناہ جوش و خروش اور اپنی فتح پر یقین کا مظاہرہ پایا جاتا ہے۔ کل تک کے لئے خدا حافظ۔ علی احمد خان۔

بقیہ:۔ مرتضیٰ بھٹو

مرتضیٰ: وہ، ان (مسٹر بھٹو) سے جو بھی سلوک کریں، خواہ کتنا ہی ذلیل اور بے عزت کریں، لیکن میرے والد کو وہ لوگ توڑ نہیں سکتے۔ جنہیں وہ خود سے گھٹیا اور چھچھورا سمجھتے ہیں۔ انہیں (مسٹر بھٹو کو) ایک دن میں تقریباً ۲۳ گھنٹے بستر پر پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔ ملاقاتیوں کو ملنے کی اجازت نہیں اور نہ ورزش کی اجازت ہے۔ ان کی کوٹھری میں پرانے زمانے کا ٹوائیلٹ ہے۔ جو سخت بدبو دیتا ہے

سوال: پاکستان میں کیا آپ کو آزاد شخص کی حیثیت حاصل ہو گی؟

مرتضیٰ: ایک لمحے کے لئے بھی نہیں۔ فوج نے پی آئی اے کو ہدایت کی ہے کہ اگر میں کسی بھی دن انکے طیارے میں سوار ہوں تو مجھے پاکستان پہنچا دیا جائے۔ اگر انہیں دوبارہ ایندھن کی ضرورت پڑ جائے تو کسی کو طیارے سے اترنے نہ دیں کہ کہیں میں فرار نہ ہو جاؤں ضیاء کے سینئر آدمیوں میں سے ایک نے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں کبھی پاکستان واپس آؤں تو وہ ذاتی طور پر میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے طمانیت حاصل کرے گا۔

(ایک سوال اور اس کا جواب حذف کیا جا رہا ہے۔ کیوں کہ اس کا تعلق مقدمے کی کارروائی سے ہے۔ جو توہین عدالت کے زمرے میں آتا ہے۔ ادارہ راہی)

سوال: سیاست دانوں اور حکمرانوں کی جانب سے آپ کو کس نوعیت کا ردعمل ملا؟

مرتضیٰ: بہت ہی حوصلہ افزاء، خصوصاً میں کرنل قذافی کے ردعمل سے بہت خوش ہوں، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے اس مسئلے پر خاصے موثر انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار جنرل ضیاء تک پہنچایا۔

سوال: لیکن جنرل ضیاء کہتے ہیں کہ یہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت ہے؟

مرتضیٰ: یہ حقوق انسانی کا معاملہ ہے۔ اسے کس طرح اندرونی معاملہ کہا جا سکتا ہے۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آج حقوقِ انسانی بین الاقوامی مسئلہ ہے داخلی مسئلہ نہیں ہے۔

سوال: آپ کی والدہ اور بہن کیسی ہیں؟

مرتضیٰ: انہیں سخت خوف زدہ کیا جا رہا ہے۔ انکے ٹیلی فون عموماً کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ میں ان سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ پانی کی سپلائی دن میں چند گھنٹوں کے لئے بند کر دی جاتی ہے۔ بجلی کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ کوئی شے بھی میرے خاندان کے حوصلے کو تباہ نہیں کر سکتی

سوال: اگر سپریم کورٹ آف پاکستان آپ کے والد کی اپیل کو مسترد کر دیتی ہے۔ تو کیا وہ رحم کی درخواست کریں گے؟

مرتضیٰ: اس نوعیت کی کوئی اپیل نہیں کریں گے۔ میرے والد سر بلند ہو کر تختہ دار پر چڑھ جائیں گے۔ وہ اپنے حمایتوں سے غداری نہیں کریں گے۔ اور آخری فیصلہ تاریخ پر چھوڑ دیں گے۔

بقیہ:۔ پرانی سیاست گری

پتہ ہی نہیں چلتا کہ اپنے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔

ایک اور چیز بہت دلچسپ ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنی یا معاشرہ کی کسی احتیاج، ضرورت، مطالبہ یا شکایت کا ذکر کریں تو فوراً جواب دیا جاتا ہے کہ آپ کو علم نہیں کہ مارشل لاء لگا ہوا ہے۔ اور آپ کی یہ احتیاج یا ضرورت مارشل لاء کے فلاں ضابطے کی خلاف ورزی ہے اب یہ مارشل لاء کیسے فطری تقاضوں اور احتیاجات اور ضروریات کا بدل ہو سکتا ہے کوئی مارشل لاء کا ضابطہ نہ بھوک کو روک سکتا ہے اور نہ روٹی فراہم کر سکتا ہے اگر مارشل لاء کے ضابطوں کے باوجود ملک میں گرانی بڑھ رہی ہے ڈاکہ، قتل، اور اغوا کے جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، منافع خوری، اسمگلنگ اور ملاوٹ جیسے معاشرتی جرائم حسب سابق موجود ہیں بلکہ بعض صورتوں میں ان میں اضافہ ہوا ہے تو مارشل لاء ریگولیشنز کس کام کے۔ اسی طرح کوئی مارشل لاء ریگولیشن ہوا کو چلنے، سورج کو طلوع یا غروب ہونے اور موسموں کو تبدیل ہونے سے نہیں روک سکتا ہے۔

یہی قصہ اظہار کا ہے کہ اظہار انسان کی پیدائشی اور فطری ضرورت ہے۔ قدرت نے انسان کو زبان دی ہے جس سے وہ اظہار خیال کرتا ہے اور دوسروں تک اپنی بات پہنچانے کے لئے وہ تحریر کا طریقہ بھی استعمال کرتا ہے تحریر و تقریر انسان کی بنیادی ضرورتوں اور حقوق میں شامل ہیں ان پر کسی نوع کا غیر فطری قدغن معاشرہ میں فساد اور خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اگر اظہار پر پابندیاں عائد کی جائیں تو انسان اس حق کے استعمال کے لیے دوسرے طریقے اختیار کرتا ہے وہ جو کہتے ہیں کہ "پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے نالے رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور۔" اگر قانونی اخبارات کو بند کیا جائے گا تو غیر قانونی کتابچے اور پمفلٹ شائع ہوں گے اگر صحیح خبریں لوگوں تک نہیں پہنچائی جائیں گی تو افواہیں پھیلیں گی۔ اور بقول شخصے روزنامہ سینہ گزٹ جاری ہو جائے گا جس کی اشاعت کسی کالے قانون کے تحت بھی بند نہیں کی جا سکتی۔

رہ گئی یہ بات کہ اظہار کی آزادی ذمہ داری کے ساتھ استعمال کی جانی چاہیئے۔ اور مغلظات نویسی یا دروغ گوئی اور بہتان تراشی کو آزادی اظہار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو یہ بات بالکل درست ہے، لیکن جو درست نہیں وہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا کہ کیا مغلظات نویسی ہے یا کوئی دروغ گوئی ہے یا کوئی بہتان تراشی ہے اس کے فیصلہ کا حق شکایت کرنے والے یا الزام دھرنے والے کو نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس کا فیصلہ عام اور مناسب عدالت کو عام اور مناسب قانون کے تحت کرنا چاہیئے قائد اعظم نے بنگال ترمیمی آرڈیننس کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی ایک تقریر میں "مناسب عدالت" کا لفظ استعمال کیا تھا یعنی ایسی عدالت جو واقعی عدالت ہو، واقعی آزاد ہو اور ملک کے جمہوری نظامِ عدل کے تحت قائم کی گئی ہو، لیکن کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ کسی کی تحریر یا تقریر کے بارے میں خود الزام بھی دھر لیں اور خود فیصلہ بھی صادر کر دیں۔ یہی حال بدقسمتی سے ان لوگوں کا ہے جو صرف اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے اظہار اور صحافت اور تقریر و تحریر کی آزادی چاہتے ہیں لیکن دوسروں کو یا اپنے مخالف کو اپنی مخالف جماعت یا اخبار کو اس کا حقدار نہیں سمجھتے

وہ اپنے ۳۲ نکات میں کالے قوانین کی تنسیخ کا اوران کے استعمال نہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ خصوصی عدالتوں کی مخالفت کرتے ہیں اور حیدرآباد اسپیشل ٹریبونل کو توڑنے پر بھی اصرار کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ حکومت ان کی اپنی ہے یا ان کی پسند ہے تو پھر وہ ان سیاہ قوانین اور غیر معمولی عدالتوں کو نہ صرف جائز تصور کرتے ہیں بلکہ ان کے استعمال اور ان کو برقرار رکھنے پر زور دیتے ہیں مثلاً آجکل وہ خود جج بن کر فیصلہ صادر کر رہے ہیں کہ مساوات اخبار بالکل ٹھیک بند ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہ اخبار پیپلز پارٹی کا ہے اور پیپلز پارٹی کے وہ مخالف ہیں اور حکومت جس نے یہ قدم اٹھایا ہے وہ اس کے حامی ہیں وہ کہتے ہیں کہ مساوات غلط اور جھوٹی خبریں شائع کرتا تھا اس لئے اس کے خلاف کالے اور غیر معمولی قوانین کا استعمال درست ہے لیکن جب بھٹو صاحب کے دور میں جسارت بند کیا گیا تو اس وقت کی حکومت یہی کہتی تھی کہ جسارت دروغ گوئی اور اتہام تراشی کرتا ہے اس وقت جسارت والے کہتے تھے کہ ہمارے خلاف کالا قانون استعمال کیا گیا ہے اور ہمیں عام عدالت میں صفائی کا موقعہ نہیں دیا گیا ہے پی ایف یو جے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی یہی کہتی تھی کہ کالے اور غیر معمولی قوانین کا استعمال اس بات کا ثبوت ہے کہ حکومت کا کیس کمزور ہے اور اس نے حزب اختلاف کے ایک اخبار کی آواز بند کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ پی ایف یو جے نے اس اخبار کی بحالی کے لئے ملک گیر ہڑتال کی، لیکن اب چونکہ وقت بدل گیا ہے اب جسارت موجودہ حکومت کا حامی ہے بلکہ اس کا ترجمان ہے اس لئے وہ ایک کالے قانون کے تحت اپنی مخالف جماعت پیپلز پارٹی کے اخبار مساوات کی بندش پر خوش ہے اور اس کا مطالبہ نہیں کرتا کہ مساوات پر عام قوانین کے تحت عام عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور غیر معمولی قوانین کا استعمال نہ کیا جائے۔

خیر ان موسمی جمہوریت پسندوں اور اسلام پسندوں کی بات چھوڑیئے ان کے غبارے میں سے ہوا نکل چکی ہے اور یہ بڑی تیزی کے ساتھ بے نقاب ہو رہے ہیں۔ یہ اس وقت چور دروازے سے حکومت پر قابض ہونے کے لئے کوشاں ہیں۔ اور بقول شخصے انہیں اسلام نہیں بلکہ اسلام آباد کی فکر ہے جہاں انہیں انتخابات کے بغیر وزارت کی کرسیاں نصیب ہوں گی۔ اور ان کی کاروں پر جھنڈے لگیں گے۔ ان کی بلا سے اخبارات بند کر دیئے جائیں۔ اختلاف اور تنقید کا گلا گھونٹ دیا جائے مزدوروں، کسانوں اور طلبار اور صحافیوں کو مارشل لا ضوابط کے تحت قید و بند اور کوڑوں کی سزا دی جائے یہ تو اسلام آباد اور اس کی ایر کنڈیشنڈ کوٹھیوں کے خواب دیکھ رہے ہیں انہیں اب کوثر نیازی جیسے ہمسفر بھی نصیب ہو گئے ہیں وہ ان کے لئے بے داغ ہیں ان کا احتساب نہیں ہوا۔ نہ ان کو نااہل قرار دیا گیا ہے مفتی محمود کہتے ہیں کہ اگر قیوم خان کو شامل کیا گیا تو ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھیں گے قومی حکومت میں شریک نہیں ہوں گے میری ناچیز رائے میں تو بقول میر ؎

یوں کہتے ہو، یوں کہتے، یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا۔

اور مضمون نویسی شروع ہوتی ہے تو ایک اور خبر کا ذکر ہو جائے۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر صاحب نے حکم دے دیا ہے کہ ملک کے تمام اضلاع میں ملازمتوں میں ۲۵ فیصد اسامیاں سابق فوجیوں کے لئے مخصوص ہوں گی یعنی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد جملہ اسامیوں میں ایک چوتھائی پر ان کا تقرر کیا جائے گا اور کسی کا نہیں کیا جائے گا۔ میں نے اس اعلان پر غور کیا کہ اس کے مضمرات کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تو کسی فلاحی اور بالخصوص اسلامی معاشرے کے حکام کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ ملک کے تمام شہریوں کے ساتھ برابری اور مساوات کا سلوک کریں۔ ملک کے تمام لوگوں کے لئے بلاامتیاز روزگار اور ملازمت فراہم کرنا ان کے بنیادی فرائض میں داخل ہوتا ہے۔ ایک واقعی فلاحی اور اسلامی معاشرہ میں روزگار کے مواقع سب کے لئے برابر فراہم کئے جاتے ہیں۔ کسی خاص طبقے یا گروہ یا پیشے کے آدمیوں کے لئے کوئی تخصیص نہیں برتی جاتی۔ مثلاً یہ ملازمت سے ریٹائر ہونے والے بہت سے لوگ ہو سکتے ہیں۔ فوجی بھی، اساتذہ بھی، صحافی بھی، مزدور بھی، کاریگر بھی، ریلوے کے ملازمین بھی، انجینئر بھی اور دیگر پیشوں اور اداروں سے تعلق رکھنے والے لوگ، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ انفرادی طور پر کسی کو اس کے کارہائے نمایاں کے عوض کوئی انعام دیا جائے۔ یا شہداء کے خاندانوں کا خیال کیا جائے لیکن شہداء بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو دشمن کی فوج سے لڑتے ہوئے شہادت حاصل کریں۔ لیکن وہ بھی شہید کہلاتے ہیں جنہوں نے کسی کاز کے لئے جان دی ہو مثلاً وہ افراد جنہوں نے پاک و ہند کی آزادی کے لئے برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کی اور جام شہادت نوش کیا۔ وہ مزدور جو اپنے حقوق کے لئے پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں، یا وہ افراد جو ایوب، یحیٰی، بھٹو اور موجودہ دور میں جمہوری حقوق کی جدوجہد میں کام آئے۔ یہ بھی شہداء کی صفوں میں داخل ہیں کیا ان کے لئے بھی کچھ کیا گیا ہے یہ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے ۴۲ یا اس سے زیادہ معصوم مزدور جو اپنے جائز حق کے لئے پولیس کی بربریت کا نشانہ بنے کس صف میں شمار کئے جائیں گے۔ ان تمام شہداء کے ورثا بھی سرکار کی امداد کے مستحق ہیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ آخر سابق فوجیوں ہی کے لئے ملک کی جملہ آسامیوں کا ۲۵ فی صد کیوں مخصوص کر دیا جائے، چند فیصد آسامیاں اساتذہ کے لئے کیوں نہ مخصوص کی جائیں۔ مزدوروں کے لئے کیوں نہ کی جائیں، صحافیوں کے لئے کیوں نہ کی جائیں، کاریگروں کے لئے کیوں نہ کی جائیں۔ ہم سب مسلح افواج کا بڑا احترام کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کو زیادہ سے زیادہ، سہولتیں ملیں۔ لیکن ہم ملک کے دوسرے شہریوں کو بھی مساوی شہری تصور کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ روٹی روزگار کے معاملہ میں ان سب کے ساتھ برابر کا سلوک ہو۔ اب غور کیجئے کہ مسلح افواج کی جملہ تعداد ملک کی آبادی کے شاید چار پانچ فیصد کے برابر ہو گی۔ آخر یہ شہری ملازمتوں کا ۲۵ فیصد سابق فوجیوں کے لئے کیوں مخصوص کر دیا جائے؟ کیا اس کا کوئی معقول جواز پیش کیا جا سکتا ہے؟ چلئے ہم اس کی شکایت نہیں کرتے کہ ملک کے بجٹ کا ۷۰ یا ۸۰ فیصد مسلح افواج اور دفاع کی ضروریات پر خرچ کیا جاتا ہے۔ دفاع بھی ملک کی بڑی ضرورت ہے لیکن یہ شہری ملازمتوں میں سابق فوجیوں کے لئے ۲۵ فیصد کی تخصیص فہم سے بالاتر ہے۔ کیا خلفائے راشدین کے زمانے میں فوجی دوسرے شہریوں سے برتر سمجھے جاتے تھے۔ اس دور میں تو خلیفہ بھی حقوق و مراعات کے معاملہ میں دوسرے شہریوں سے خود کو بالاتر نہیں سمجھتا تھا، حضرت عمرؓ کی مثال سامنے ہے، کہاں یہ کہ ایک چھوٹی تعداد کے لئے کثیر ملازمتیں وقف کر دی جائیں جن کا اثر دوسرے شہریوں پر پڑے۔ کیا یہ عمل اسلام اور اسلامی شرع اور اسوۂ حسنہ کے مطابق ہے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ اور اسلامی نظام کے قیام کا دعویٰ کرنے والے ذرا غور فرمائیں کیا وہ اس سلسلہ میں کوئی سند دور رسالت یا خلفائے راشدین کے عہد سے فراہم کر سکتے ہیں جس میں حقوق و مراعات کے معاملہ میں شہریوں کے درمیان یہ امتیاز روا رکھا گیا ہو میں اس ملک کے علمائے دین کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ وہ بھی اس نکتہ پر اپنی رائے یا فتویٰ پیش کریں۔ کیا

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا یہ اقدام اسلامی اقدار اور اسلامی روایات اور اسلامی ریاست کے تقاضوں کے مطابق ہے یا اس کے برعکس۔۔؟

فرمایئے اسے آپ تعمیری تنقید قرار دیں گے یا تخریبی؟ یا اس مضمون پر بھی امن عامہ کے قانون یا کسی مارشل لاء کے ضابطے کا اطلاق فرمائیں گے؟۔

بقیہ: ڈیورنڈ

مطابق ہم نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے .... کرائی۔ یہ ایک عظیم الشان کامیابی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو جیسے آدمی کا تختہ الٹنا "کوئی ڈنر کی دعوت" نہیں ہے۔ میں خود بھی جو ان کے خلاف ذاتی مخاصمت رکھتا ہوں ان کی ذہانت و فراست کا احترام کرنے پر مجبور تھا۔ ایک متعصب سامراجی کی حیثیت سے بھی مجھے یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ان کی طرح کے لیڈر ہر دور میں عالمی اسٹیج کو زینت نہیں بخشتے۔ وہ قوموں کی زندگی میں ایک بار ہی آتے ہیں۔

"آپریشن کوکا کولا" کو مکمل کرنے کے بعد میں نے مزید ہدایات طلب کیں حیران کن بات یہ تھی کہ مجھے مارچ ۱۹۷۸ء تک پاکستان رکنے کے لئے کہا گیا۔ بھارت کے بعد کے واقعات کو نظر میں رکھوں تاکہ پاکستان کو دوبارہ لگام لگائی جا سکے۔ جولائی اور اس کے بعد جو واقعات رونما ہوئے وہ بغاوت کے فطری نتائج تھے میں نے ہر واقعہ پر نظر رکھی اور اس کی اہمیت پر توجہ دی میں اپنے وزیر اعظم کے دورے کو دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوا۔ لطف اندوز اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنا فرض انتہائی آسانی سے ادا کیا وسط فروری سے پہلے مجھے یہ محسوس نہیں ہوا کہ مجھے مارچ کے اختتام تک پاکستان میں مزید قیام کرنے کو کیوں کہا گیا تھا۔ فروری ۱۹۷۸ء کے آخر میں اعلان کیا گیا کہ افغانستان کے صدر داؤد ۵ مارچ سے ۸ مارچ ۷۸ء تک پاکستان کا دورہ کریں گے مجھے اس دورے کو دیکھنا تھا۔

صدر داؤد بھرپور اعتماد کے ساتھ پاکستان آئے۔ انہوں نے اس سے مختلف پاکستان دیکھا جو انہوں نے اگست ۱۹۷۶ء میں دیکھا تھا۔ پنڈولم ان کی طرف جھول گیا تھا۔ کسی "کوئڈ پرو کو" یا بھٹو کے الفاظ میں "توازنِ مساوات" کے بغیر اپنے سارے مطالبات منوا کر صدر افغانستان اپنے الفاظ کے بارے میں کافی فراخدلی برت سکتے تھے۔ وہ الفاظ کے تحفے میں ضرورت سے زیادہ فضول خرچ بنے لیکن ریکارڈ درست رکھنے کیلئے "سیاسی اختلاف" کا حوالہ بھی دیا۔ سفارتی پتے پھینٹنے میں ایک بڑی طاقت نے ایک اکے پر قبضہ کر لیا، لیکن صدر افغانستان نے سنجیدگی کے ساتھ تین اکے جیب میں ڈال لئے۔ اس لئے مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ میرا مقصد پوری طرح پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا افغانستان کے صدر کی جیب میں پہلا اکا بلوچ رہنماؤں کا معاہدہ ہے کہ وہ پاکستان میں داخلی سیاسی سمجھوتہ کریں گے۔ دوسرا اکا پختون لیڈروں کا اسی طرح کے سمجھوتے کا معاہدہ ہے۔ اس کے بعد بھی تیسرا اکا صدر افغانستان کی جیب میں رہے گا۔ اب بھی یہ ان پر منحصر ہوگا کہ اسے میز پر پھینکیں یا روکے رکھیں۔ دوسرے الفاظ میں سفارتی زبان میں افغانستان کے صدر کو تین ووٹوں سے مسلح کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دینے پر آمادہ ہوں، ایک ووٹ بلوچوں کے ہاتھ میں ہے دوسرا پختونوں کے اور تیسرا افغانوں کے بڑی طاقت اپنا ووٹ رکھ سکتی ہے یا اس پر جھگڑ سکتی ہے دوسرے ووٹوں کی طرح یہ ووٹ بھی پاکستان پر اثر انداز ہو سکتا ہے افغانستان پر نہیں۔ تقدیر کس طرح بدل سکتی ہے۔ مجھے گہری نیند سے بیدار کرنے کے لئے جھنجوڑ کر جگایا گیا تھا کہ تسلیم کر کے مجھے تاریخ کے صفحات سے مٹایا جانے والا ہے۔ مجھے نوے سال قبل برطانیہ عظمیٰ کی حکومت کو غلط یقین دہانیاں کرانے پر تنبیہہ کی گئی تھی۔ اب میں سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی گہری نیند میں واپس جا سکتا ہوں ان تبدیل شدہ حالات میں افغانستان میں کوئی بیوقوف مجھے تسلیم کرنے نہیں جا رہا افغانستان کے خلاف بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں لیکن کوئی ان کے رہنماؤں کو بیوقوف نہیں کہہ سکتا۔ حقیقتاً پوری تاریخ میں افغان رہنما بڑے عقلمند رہے ہیں اور صدر داؤد ان کے پیدا کردہ عقلمند ترین رہنماؤں میں سے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ میں آرام کے ساتھ اپنی قبر میں لوٹ سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ۱۸۹۳ء میں میں نے جو کام انجام دیا وہ ویسا ہی رہے گا جس کا میں نے حکومت سے وعدہ کیا تھا۔ یہ تو ریکارڈ کے لئے ہے لیکن سچ پوچھیئے تو پنڈولم کے اس جھونکے کے باوجود مجھے وہ نیند نہیں مل سکے گی جس کی مجھے ضرورت ہے اور جس کا میں مستحق ہوں جب تک کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو موجود ہے۔

بقیہ: حسین نقی

شوقین بھی، ادریس کو محض "پیر کا" رہے ہوں گے۔ "پیر کاٹنا" پنجابی کا محاورہ ہے اگر آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو کسی ساتھی سے پوچھ لیں کہ کیا مطلب نکلتا ہے اس کا۔

لیکن اب پتہ چلا ہے کہ جنرل مجیب اپنے ارادے کے پکے ہیں، اور نپولین نہ سہی تاریخ کے کچھ اور کرداروں سے ان کی خاصی یاد اللہ معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال یہ تو پکی بات ہے کہ تاریخ ساز شخصیت ہیں صحافیوں کو کوڑے لگوانے کا بین الاقوامی اول انعام موصوف کو حاصل ہو گیا ہے۔ موصوف ہی کے بڑے بھائی الحاج حبیب الرحمٰن پنجاب پولیس کے آئی، جی ہیں، جنہوں نے مولوی (محض داڑھی کی حد تک)، خالد چودھری کو لاہور کا قلعہ بھی دکھا دیا ہے اور بم کیس میں چالان بھی کروا دیا ہے۔ حالانکہ زیادہ سے زیادہ خالد چودھری پر ایک بوتل دیسی یا ولایتی ڈالی جا سکتی تھی۔

الحاج حبیب الرحمٰن دوبارہ نوکری پر آتے ہیں بیچ میں ان کا کچھ پھڈا ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ لاہور کے ایس ایس پی تھے تو کافی تعداد میں "سماج دشمن عناصر پولیس سے مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے تھے"۔ "پولیس مقابلہ" لاہور میں موصوف کے نام کے ساتھ کافی مشہور رہے۔ اب چونکہ سماج دشمن عناصر پھر بہت سر اٹھا رہے ہیں لہٰذا پنجاب پولیس کو دوبارہ تڑکا لگ گیا ہے اور الحاج حبیب الرحمٰن پنجاب بھر کے آئی جی بنا دیئے گئے ہیں۔ میجر جنرل مجیب ان کے چھوٹے بھائی اور جالندھر ہی کے مہاجر غالباً پٹھان ہیں۔

مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ صحافیوں کو کوڑے لگانے کے بجائے "پولیس مقابلہ" میں کیوں ٹھکانے نہ لگا دیا گیا۔ وہ زیادہ آسان طریقۂ واردات ہو سکتا تھا۔ بہر حال ابھی تو ابتدا ہے ابھی پنجاب کو الحاج حبیب الرحمٰن کی ضرورت پڑتی ہی پڑتی ہے، دیکھئے بات ادھر سے اُدھر نکل جاتی ہے، واپس خان صاحب پر لوٹتا ہے، خان صاحب مسعود اللہ خاں لاہور میں تھے تو یہاں پاک ٹی ہاؤس کی رونق تھے۔ اس سے پہلے اسلامیہ کالج میں ہم دونوں استاد مرحوم حمید احمد خاں کے چہیتے لیکن شرارتی شاگرد رہنے کا شرف رکھ چکے ہیں۔ ان دنوں کی بات ہے۔ سر مارٹیمر وہیلر جو آثارِ قدیمہ کے بین الاقوامی شہرت یافتہ ماہر تھے،

اور جنہوں نے "موتن جو داڑو اور ہڑپہ" پر کافی کام کیا ہے اپنے سے بھی زیادہ مشہور جاسوسی کہانی نگار اگاتھا کرسٹی کے شوہر تھے۔ ایک بار میاں بیوی ساتھ ساتھ لاہور وارد ہوتے تو پروفیسر حمید احمد خاں اور پروفیسر سیرین نے دونوں کو اسلامیہ کالج مدعو کرلیا۔ جاسوسی ادب پر لمبی چوڑی بحث ہوتی رہی۔ اگاتھا کرسٹی کی کہانیوں کے مواد کا ذکر ہوا۔ موصوفہ نے بتایا کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ سے کافی مواد حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن خان مسعود اللہ خاں نے پوچھا، کوئی واقعہ چشم دید بھی تو ہو سکتا ہے جس پر اگاتھا کرسٹی نے معذرت کی کہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ خاں صاحب نے کہا کہ اگر آپ یہاں رہیں تو لاہور میں آپ کو ایسے تماشے، قتل وغیرہ براہِ راست دیکھنے کو مل سکتے ہیں۔ کیا آپ دیکھنا چاہیں گی؟ اگاتھا کرسٹی، جن کے قلم نے جرم و سزا کے بیسیوں کردار تراشے، خاں صاحب کی اس تجویز سے اتفاق نہ کر سکیں۔ "یہ پولیس مقابلہ" سے پہلے کی بات ہے۔ ریکارڈ کے لئے۔

ہزاروں سنجیدہ اور طنز و مزاح سے بھرپور جملے خاں مسعود اللہ خاں کی تخلیق ہیں۔ لیکن جیسا انہوں نے ایک بار لاہور کے حلقہ اربابِ ذوق میں کہا تھا ان کو منشیوں کی ضرورت تھی لیکن نہ مل سکے۔

مجھے یقین ہے کوڑوں کی سزا پر وہ کوٹ لکھپت جیل اور جہاں بھی بھیجے گئے ہزاروں فقرے تخلیق کریں گے۔ کوڑے کھانے کے بعد ان کے پہلے جملے میں نے آپ کو بھی سنا دیئے۔

جس شہر میں خاں صاحب رہے وہاں کی ادبی اور ثقافتی زندگی سے تعلق رکھنے والوں سے ان کا تعلق رہا ہے، کراچی میں بھی کچھ دن روزنامہ "سن" میں شمیم احمد کی بیگار کرنے کے باوجود ان کی حسِ مزاح میں کوئی فرق نہیں آیا اور اب راولپنڈی اور اسلام آباد جیسی ٹھنڈی جگہوں پر بھی وہ گرما گرم محفلیں سونی کر کے کوڑے کھانے چلے آتے۔

ہاں، ان ہی دنوں ہم دونوں سے ملنے جماعت اسلامی کے تعلقاتِ عامہ کے صفدر علی دفتر آئے تو خاں صاحب سے انہوں نے بھی کہا کہ آپ ۸۰ دن بھوک ہڑتال پر اور پھر جیل جائیں۔ خاں صاحب کا جواب سادہ تھا۔ میں بڈھی نوں کہہ آیا آں، توں ٹورتے چلی جاویں (اپنی بیگم کو کہہ آیا ہوں کہ وہ گھومنے پھرنے چلی جاتے) شنکیاری، وزیر آباد۔ گوجرانوالہ بہاول پور، کراچی تک ان کی رشتہ داریاں پھیلی ہوئی ہیں راجوڑی کے سورج بنسی راجپوتوں کے خاندان میں جس کا ایک حصہ تقریباً ۱۰۰ سال سے منتمن برج وزیر آباد میں مقیم ہے اور جس کے بیسیوں جوان افواجِ پاکستان میں اور پنجاب کی ہر اسمبلی میں نمائندگی کرتے رہے ہیں، خان مسعود اللہ خاں نے ایک نئی روایت کا آغاز کیا ہے۔ کوڑے کھانے کی روایت کا!

لیکن مجھے پتہ ہے کہ اگر میں مسعود اللہ خاں کو یہ جملہ سناؤں تو وہ کہے گا۔ نکی! توں بالکل بے وکوف ہو گیا اے، بوگس، مینوں لاہور آنا پیئے گا تاکہ تیری تعلیم کا بندوبست کر دوں۔ اوئے پاگلا، میں تے کوڑے مارن دا اک نیا طریقہ دسیا ہے (میں نے کوڑے مارنے کا نیا طریقہ بتایا ہے) توں بس ہو گیا اے۔ مِس باغ الحق دے نال بہہ کے تیری مت ماری گئی ہے، تو "گنجتہ" ہو گیا اے۔ (مصباح الحق کے ساتھ بیٹھ کر تیری عقل ختم ہو گئی ہے)

واقعتاً میری مت ماری گئی ہے میں بس ہو گیا ہوں کہ عقل ساری صلاح الدین ایڈیٹر جسارت، مجید نظامی صاحب ایڈیٹر نوائے وقت۔ زیڈ-اے سلہری، ایڈیشنل سکریٹری اطلاعات، میجر جنرل مجیب الرحمٰن کرتا دھرتا وزارت اطلاعات کے پاس پہنچ چکی ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار!

حسین نقی بنام مجیب الرحمان شامی

دو جملے میرے اوپر قرض ہیں مجیب الرحمٰن شامی کے جو میرا ذاتی دوست ہے۔ میرے گذشتہ سے پیوستہ کالم کے حوالے سے شامی نے مجھے کہا ہے کہ میرا یہ جملہ کہ وہ یعنی مجیب الرحمٰن شامی موجودہ حکومت کا مولانا کوثر نیازی بن رہا ہے، ایسا ہی ہے جیسے میں نے اس کو ماں اور بہن کی گالی دی ہو۔ میں شامی کی والدہ اور بہن کو اپنی والدہ اور بہن سمجھتا ہوں اس لئے میں شامی کو ماں بہن کی گالی نہیں دے سکتا۔

میں نے بھٹو کے خلاف بھی بہت اور سخت لکھا ہے لیکن کبھی ان کی ماں، بہن، بیٹی سے متعلق نہیں لکھا کہ میری نظر میں یہ میری تہذیب اور تربیت کے خلاف ہے، البتہ پڑھا بہت ہے، "صحافت" "اسلامی جمہوریہ" "زندگی" "جسارت" "ایشیا" "چٹان" "نوائے وقت" سب میں، جو میری نظر میں تو نہیں اُن کی نظر میں "اسلامی اخلاق و آداب" کے اعلیٰ نمونہ ہیں

دوسرا جملہ شامی مجیب الرحمٰن نے مجھے یہ کہا کہ میں ان کی ٹویوٹا کراون اور ٹریکٹر جہاں پاؤں لے لوں، آج ہی (جس دن شامی کا فون آیا) یہ میرے بس کی چیزیں نہیں۔ شامی کو میرے ساتھ یہ کرنی بھی نہیں چاہیئے۔ گذرے وقتوں میں سنا تھا کہ بادشاہ جس شریف لکھے پڑھے تنگدست سے ناراض ہوتا تھا اُس کے گھر ہاتھی کا تحفہ بھجوا دیا کرتا تھا جو سارا اناج چٹ کر جاتا اور گھر والے فاقوں مرتے۔ ٹریکٹر کے سلسلے میں کیا کہوں۔ روایت ہے کہ بزرگوں کا ایک باغ فدک ہوتا تھا! مجلسوں میں یہ بھی سنتا ہے کہ امام حسینؓ جو میرے مورث اعلیٰ تھے، نے کربلا میں خیمے لگانے سے پہلے ساری زمین کی قیمت نقد مالکوں کو ادا کر دی تھی۔ وہ بھی عراق میں ہے اور وہاں زمینداری ختم کی جا چکی ہے پاکستان میں والدین کو حیات چھوڑ کر آیا تھا لہٰذا متروکہ املاک کا بھی کوئی کلیم نہیں تھا نہ ہی ضلع ساہیوال کے میاں شفیع عرف م۔ش اور ضلع شیخوپورہ (غالباً) کے نظامیوں کی طرح میرے نام کوئی متروکہ جائیداد الاٹ ہوتی۔ نہ ہی اوقات کی زمین کا کوئی الاٹمنٹ میرے نام کیا گیا۔ میں تو بیگار بھی قلم کی کرتا ہوں اور روٹی بھی اسی کی کھاتا ہوں۔ جماعت اسلامی کی "تحریک" اور پھر بھٹو صاحب کی حکمرانی میں بے روزگاری نے بال بال قرض میں جکڑ دیا ہے۔ دس مرلہ کی اقساط بھی باقی ہیں۔ لہٰذا ٹریکٹر کا مطلب ہوگا کہ پچھلے حکمران تو محض ایک ہاتھی گھر پر بندھوا دیتے تھے۔ مجیب الرحمٰن شامی میرے گھر پر دو ہاتھی بندھوانا چاہتا ہے۔ نہ مولانا، نہ۔ دوستوں کے ساتھ ایسا نہیں کرتے۔

منہاج برنا کی زباں بندی

حکومت سندھ

ہوم ڈیپارٹمنٹ

کراچی۔ بتاریخ ۱۰ مئی سنہ ۱۹۷۸ء

حکم

نمبر 78/آل SO(11) II

ہرگاہ کہ حکومت سندھ اس رائے کی حامل ہے کہ پی ایف یو جے اور ایپنک کے صدر مسٹر منہاج برنا کو ایسے انداز میں عمل کرنے سے روکنے کے لئے جو تحفظِ عامہ اور امنِ عامہ کو برقرار رکھنے کے لئے مضرت رساں ہو یہ ضروری ہے کہ اُن کے رویّے کو پابند کیا جائے۔

اس لئے۔ اب ان اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے جو اسے تحفظِ امنِ عامہ آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۰ء کی دفعہ ۵ ذیلی دفعہ (ڈی) کے تحت حاصل ہیں حکومت سندھ مذکورہ مسٹر منہاج برنا کو یہ ہدایت دیتے ہوئے خوش ہے کہ ایک ماہ کے لئے حکومت اور اخبارات درمیان تعلقات اور اخباری قوانین کے بارے میں اپنے خیالات کی تشہیر کے لئے کوئی تقریر نہیں کریں گے۔ نہ اخبارات کو کوئی بیان یا انٹرویو دیں گے۔

یہ حکم فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

گورنر سندھ کے حکم سے تحت

شرح دستخط

(کنور ادریس)
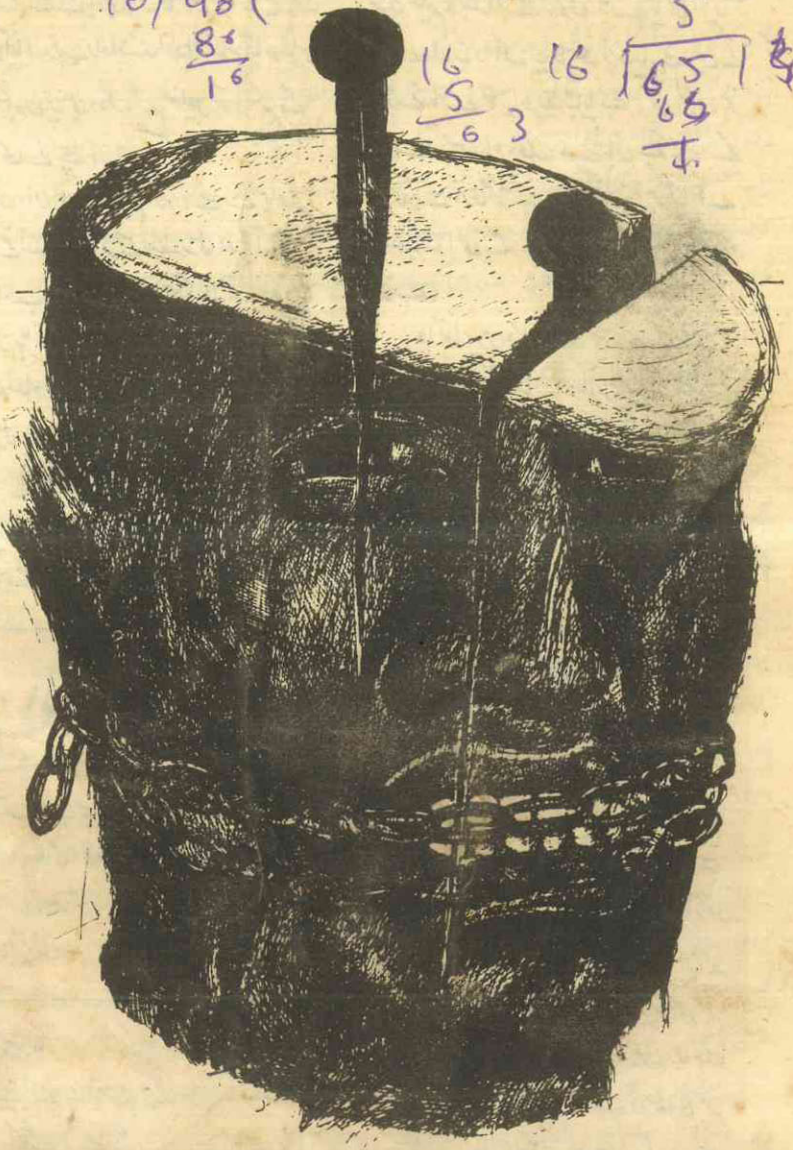
سیکرٹری حکومت سندھ

زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے

ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے